راہِ سلوک کا مجرّب دستورِ عمل
مظہر الاسرار
(اردو ترجمہ)
تالیف
واصل باللہ حضرت حکیم شاہ فرحت اللہ حسن دوست کریم چکی
خانقاہ مُنعِمیہ
میتن گھاٹ، پٹنہ سیٹی (بہار)
media@sufiyana.com

مکتوب بقلم حضرت حکیم مظہر حسین کریم چکی رحمتہ اللہ علیہ

راہِ سلوک کا مجرب دستورِ عمل

مظہر الاسرار

(اردو ترجمہ)

مصنف

واصل باللہ حضرت حکیم شاہ فرحت اللہ المخاطب بہ حسن دوست کریم چکی رحمت اللہ علیہ

ترجمہ

بدر عالم خلش

جمشید پور

ناشر

خانقاہِ مُنعِمیہ قَمَرِیہ

میتن گھاٹ، پٹنہ سیٹی

نام کتاب : مظہر الاسرار
مصنف : حضرت حکیم شاہ فرحت اللہ المخاطب بہ حسن دوست کریم چکی
سال اشاعت : ربیع الاول ۱۴۳۹ھ (دسمبر ۲۰۱۷ء)
صفحات : 120
تعداد : 500
کمپوزنگ : منعمی کمپیوٹر، احمد مارکیٹ، دریاپور، پٹنہ-۴
مطبع : صوفیانہ پرنٹرز editor@sufiyana.com
قیمت : -/150 روپے

Mazhar-ul-Asrar

By
Hazrat Hakeem Shah Farhatullah Karim Chaki r.a.

Published by:
Khanqah Munemia,
Dargah Sharif, Mitanghat, Patna City 800008
Mobile: 7370046130
Email: hazrat.mitanghat@gmail.com FB: khanquah.munemia
Web Address: www.sufiyana.com/books/munemia

Edition - December 2017

فہرست

عنوان — صفحہ نمبر

عنوان — صفحہ نمبر

مقدمہ

حضرت سید شاہ شمیم الدین احمد منعمی

سجادہ نشین، خانقاہ منعمیہ قمریہ، میتن گھاٹ، پٹنہ سٹی

شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی (م ۷۵۷ھ) کے بعد دہلی کے بجائے گلبرگہ (کرناٹک) اور مالدہ (بنگال) کو عظیم چشتی مرکز ہونے کا شرف حاصل ہوا، اور مالدہ سے واپس سلسلہ چشتیہ کی نسبت پھر ایک بار مغرب کی طرف پلٹی اور دو عظیم مراکز کچھوچھہ اور مانکپور میں قائم ہوئے۔

حضرت علاؤ الحق پنڈوی (م ۸۰۰ھ) کے ممتاز ترین خلیفہ حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی (م ۸۳۲ھ) نے کچھوچھہ کو ایک عظیم مرکز بنایا تو ان کے صاحبزادے حضرت نور قطب عالم پنڈوی (م ۸۱۸ھ) کے ممتاز ترین خلیفہ حضرت شیخ حسام الدین مانکپوری نے مانکپور کو چشتیہ سلسلہ کے حوالہ سے ایک زندہ مرکز بنا دیا۔

حضرت شیخ حسام الدین مانکپوری (م ۸۵۳ھ) ایک عظیم شیخ زمانہ اور مرشد نایاب ثابت ہوئے۔ وہ فاروقی النسب تھے ان کا نسب نامہ حضرت سیدنا

عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے یوں جا ملتا ہے:

شیخ حسام الدین مانکپوری بن شیخ مولانا خواجہ خضر عرف خواجہ دانشمند بن شیخ عبدالرزاق بن شیخ اسمعیل بن شیخ جلال الدین بن شیخ برہان الدین بن شیخ جمال الدین بن شیخ سراج الدین بن شیخ وہاج الدین بن شیخ نظام الدین بن شیخ تاج الدین بن شیخ بہاء الدین بن شیخ نصیر الدین بن شیخ نور الدین بن حضرت امیر عبدالرحمن بن حضرت امیر حسن بن حضرت عبداللہ بن حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہم۔

شیخ حسام الدین مانکپوری کی لائق اولاد صلبی اور خلفاء کے ذریعہ سلسلہ چشتیہ کو قبولیت اور مقبولیت کی نئی اونچائیاں نصیب ہوئیں اور تبلیغ و دعوت دین کے اہم کارنامے انجام دیئے گئے۔ شیخ حسام الدین مانکپوری نے مکاتیب کے ذریعہ بھی عرفان و احسان کا سبق عام فرمایا۔ رسالہ ''رفیق العارفین'' و ''انیس العاشقین'' اور مکتوبات و ملفوظات بھی آپ کے یادگار ہیں۔

شیخ حسام الدین مانکپوری کی اولاد میں ایک نامور شخصیت، حضرت شیخ عبدالکریم مانکپوری **قدس سرہ** کی بھی نظر آتی ہے جنہوں نے اسفار و اقدام کے ذریعہ تبلیغ و دعوت کے حلقے کو وسیع فرمایا۔ شیخ پیر محمد (بانی، خانقاہ سلون یوپی)، ان ہی کے خلیفہ تھے جن کے نامور خلیفہ و مجاز پٹنہ میں، شیخ معز الدین کرجوی ہوئے، جن کا تعلق بہار کے مشہور فریدی خاندان سے تھا اور ان کی خانقاہ کرجی (پٹنہ) میں مشہور زمانہ تھی۔ حضرت شیخ عبدالکریم مانکپوری کے ملفوظات حضرت عبدالستار مانکپوری نے ''مناقب کریمیہ'' کے نام سے جمع فرمائے ہیں۔

حضرت شیخ عبد الکریم مانکپوری کے بہار تشریف لانے اور مختلف علاقوں میں رشد و ہدایت کے مراکز قائم کرنے کے آثار ملتے ہیں۔ بطور خاص چھپرہ اور سیوان ضلعوں میں آپ کی سرگرمی کا ثبوت محلہ کریم چک ہے جو گنگا کے کنارے چھپرہ کا ایک مشہور محلہ ہے۔ نہ صرف یہ کہ یہ محلہ آپ کی یادگار ہے بلکہ عرصہ دراز تک یہاں آپ کی لائق اولاد اپنی لیاقت اور صلاحیت کی بنیاد پر پورے صوبے میں معزز و مکرم رہی۔

شیخ عبدالکریم حسامی فاروقی چشتی کا نسب نامہ اپنے جد اعلیٰ حضرت شیخ حسام الدین مانکپوری سے یوں جاملتا ہے:

> شیخ عبدالکریم حسامی فاروقی ابن شاہ سلطان ابن شیخ قاسم ابن شیخ احمد ابن شاہ نظام الدین عرف میران شہ ابن شاہ فیض اللہ قاضی شہ ابن شیخ حسام الدین مانکپوری۔

اس خانوادے میں طبابت و حکمت کا ذوق سب سے نمایاں تھا اور ذوق تصوف اس پر مزید تھا۔ کریم چک اور اس کے اطراف کے کئی گاؤں میں اس خاندان کی زمینداریاں بھی پھیلی ہوئی تھیں۔ حاجی الحرمین حضرت شیخ عبدالکریم حسامی چشتی مانکپوری قدس سرہ کے پوتے حضرت عبداللہ شہید فاروقی ابن شیخ عبد الحکیم خاندان کریم چک کے مشہور و معروف مورث اعلیٰ ہوئے اور ان کی اولاد اور جزئیت میں اللہ تعالیٰ نے خوب برکت عطا فرمائی۔

حضرت شاہ عبدالکریم حسامی چشتی مانکپوری

شاہ عبدالحکیم

شاہ عبداللہ شہید

شاہ محمد افضل

حکیم شاہ فصیح اللہ

حکیم شاہ مسیح اللہ
شاہ قاسم
شاہ عسکری
شاہ مہدی حسن

حکیم شاہ عزت اللہ
حکیم فرحت اللہ کریم چکی

دختر
(زوجہ پیر نظر محمد)
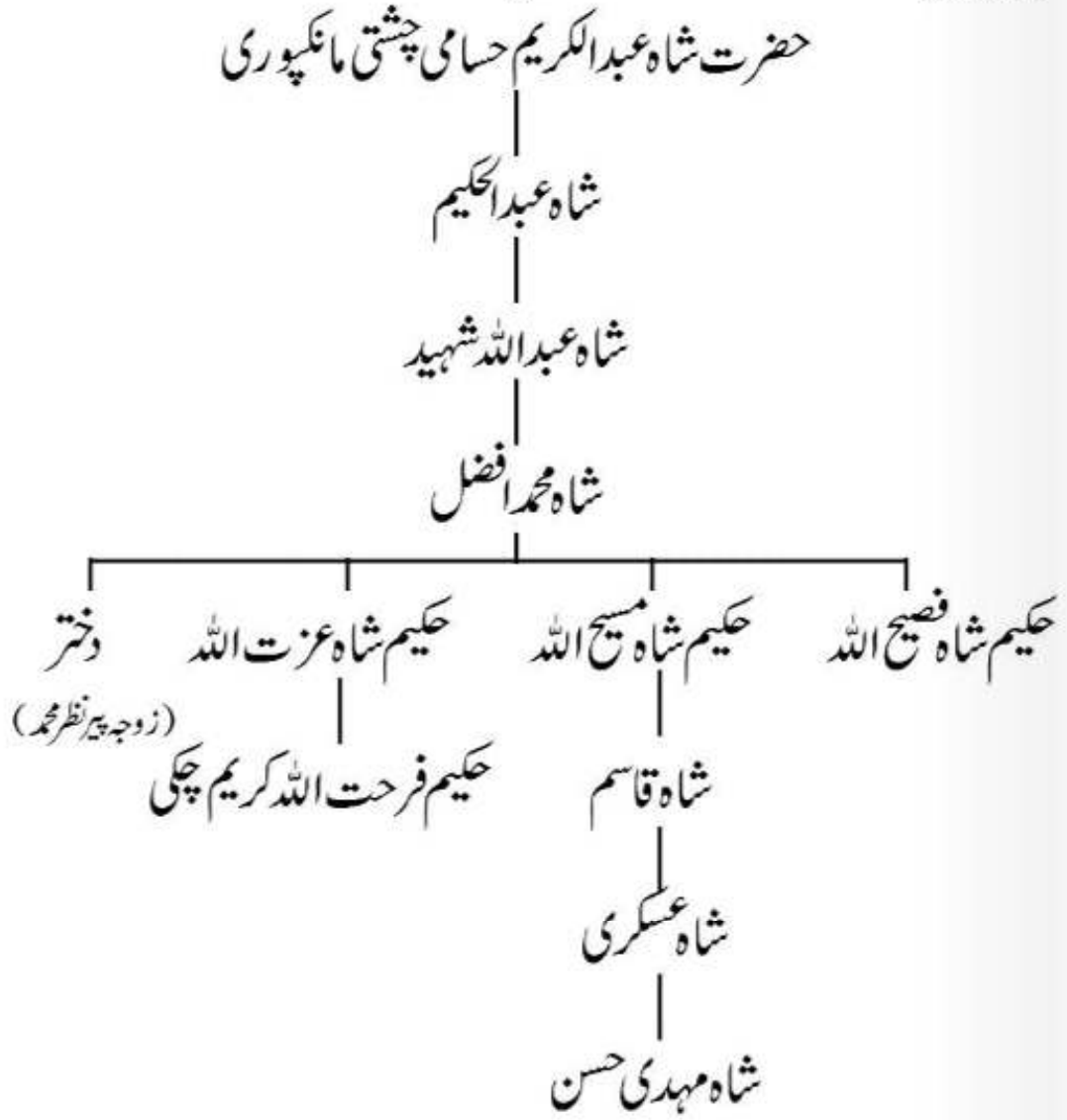
حکیم شیخ مسیح اللہ کے ذریعہ اس فاروقی خاندان کو طبابت و حکمت کی پہچان نصیب ہوئی، شیخ مسیح اللہ نے حکیم اکبر ارزانی دہلوی (مصنف طب اکبر) کے کسی شاگرد سے فن طبابت و علم حکمت حاصل کی تھی اور ان کی کامیاب طبابت نے انہیں چھپرہ سے شہر پٹنہ یعنی راجدھانی پہنچا دیا تھا۔ پٹنہ سیٹی کے محلہ مغل پورہ میں واقع حویلی عطا اشرف خاں میں ان کا مطب مشہور تھا۔

ان کے دونوں بھائی شیخ فصیح اللہ اور شیخ عزت اللہ بھی علم حکمت و فن طبابت سے مزین تھے گویا اس خاندان کی شناخت ہی طبابت و حکمت کی ہوگئی تھی۔ ان

تینوں بھائیوں کی ارادت وعقیدت کا رشتہ حضرت وارث رسولنما بنارسی قدس سرہ (۱۱۶۶ھ) اوران کے خلیفہ حضرت شاہ عصمت اللہ عثمانی کہلپوری سے قائم تھا۔ ان تینوں بھائیوں کی اولاد میں حضرت حکیم شاہ عزت اللہ کریم چکی کے صاحبزادے حضرت حکیم شاہ فرحت اللہ کریم چکی کوسب سے زیادہ شہرت و بزرگی حاصل ہوئی۔

حضرت حکیم شاہ فرحت اللہ کریم چکی کی ولادت کریم چک چھپرہ میں ۱۱۶۸ھ میں ہوئی۔ اپنے بزرگوں کے زیرنگرانی تعلیم وتربیت کا سلسلہ باضابطہ آگے بڑھا۔ علوم متداولہ کے ساتھ علم حکمت وطبابت کوبھی ورثہ میں ملے ذوق کے ساتھ آپ نے حاصل فرمایا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت مخدوم منعم پاکؒ (م ۱۱۸۵ھ) کا شہرۂ فیاضی بام عروج پر تھا۔

حکیم شاہ فرحت اللہ اپنے چچا حکیم مسیح اللہ کے مغلپورہ پٹنہ میں واقع مطب کی وجہہ کر پٹنہ عظیم آباد آئے تو حضرت مخدوم منعم پاکؒ کی زیارت کا شوق اور بڑھ گیا چنانچہ آپ کی خانقاہ میں حاضر ہوئے۔ خانقاہ کی فضا نے آپ کو اس قدر متاثر کیا کہ نوجوان فاضل، سائل بن گیا اور یوں صدا لگائی:

"حضرت! بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت نوازا ہے۔ آپ دونوں ہاتھوں سے فضل الٰہی تقسیم فرماتے ہیں۔ میں بھی ایک سائل ہوں لیکن میری حاجت یہ ہے کہ اگر میرے لئے حکمت بخشنے کا ارادہ فرمائیں تو حضرت لقمان کی مثال زندہ ہوجائے اور حکومت بخشنا چاہیں تو حضرت سلیمان کی یاد تازہ ہوجائے۔"

حضرت مخدوم منعم پاکؒ نے نظر مبارک اٹھائی اور اس بلند حوصلہ سائل پر ایک نظر ڈالی، پھر فرمایا حسن علی (میرے مرید و خلیفہ) کے پاس جاؤ اور اپنا مدعا پیش کرو۔

ایسا سائل بہت کم پیدا ہوتا ہے اور جب پیدا ہوتا ہے تو وہ اپنی مراد کے حصول کے لئے بے چین رہتا ہے کہ وہ کون سا دروازہ ہے جہاں سوال خالی نہیں جائے۔ صاحب خانہ نے اسے حضرت ذکریا علیہ السلام کی طرح محراب مریم کی طرف متوجہ کرادیا۔

حضرت حکیم فرحت اللہ جذبہ شوق سے لبریز مخدوم شاہ حسن علیؒ کے حضور مسجد میر تقی میں حاضر ہوئے اور وہی صدائے درویش بلند کی۔ مخدوم حسن علی نے صدائے درویش کے جواب میں عطا و نوازش سے بھر پور اور قبولیت سے لبریز ایک نعرہ بلند فرمایا کہ سائل ہوش کھو بیٹھا۔ کچھ دیر بعد جب ہوش آیا تو حکیم فرحت اللہ والہانہ شوق کے ساتھ حضرت مخدوم حسن علی کے قدموں سے لپٹ گئے اور اس طرح ان کی تعلیم و تربیت طریقت کا آغاز ہوا۔

حضرت مخدوم شاہ حسن علی (م ۱۲۲۴ھ) کی خدمت میں حکیم فرحت اللہ کے جذب و شوق کو وہ تسکین ملی کہ ایک روز باضابطہ طور پر بیعت ہونے کی خواہش کا اظہار کیا۔ حضرت مخدوم حسن علی نے تڑپ بڑھانے کے لئے توقف فرمایا تو حکیم صاحب نے اپنے والد ماجد حکیم شاہ عزت اللہ سے بھی اپنے ارادہ کو ظاہر فرمایا کہ میں حضرت مخدوم حسن علی سے بیعت ہونا چاہتا ہوں۔ آپ کے ارادہ سے باخبر ہو کر والد ماجد یوں گویا ہوئے:

''یہ بہت اچھا ہے کہ تم ابو العلائی نعمت کے طالب صادق ہو لیکن میری خواہش یہ تھی کہ بیعت اگر مجھ سے ہوتے تو بہتر ہوتا اور اگر تم کسی اور سے بیعت ہونا چاہتے ہو تو کوئی حرج نہیں لیکن طریقہ قادریہ ہی میں ہونا۔''

حکیم فرحت اللہ نے والد ماجد کی خدمت میں بڑے ادب سے عرض کیا:

''میرا اعتقاد تو مخدوم حسن علی کے دست مبارک پر سلسلہ فردوسیہ میں ہے''

پھر جب مخدوم حسن علی کا ہاتھ حکیم فرحت اللہ نے بیعت کی نیت سے پکڑا تو جو کچھ واقع ہوا، اسے صاحب ''کیفیت العارفین'' یوں بیان کرتے ہیں:

''اس وقت حضرت حکیم شاہ عزت اللہ کریم چکی نے اپنی خواہش کے مطابق بیٹے کو قادریہ سلسلہ میں داخل کرانے کے لئے حضور غوث پاک کے جناب میں مدد چاہی۔ بارگاہ غوثیت مآب سے توجہ ہوئی اور سرکار غوث پاک کی روح پاک بطور صورت مثالی اس موقعہ پر تشریف فرما ہوئی اور ارشاد فرمایا کہ حسن علی، اس کی بیعت میرے سلسلہ میں قبول کرو۔ چنانچہ حضرت مخدوم حسن علی نے پھر ایک بار نوجوان طالب صادق حکیم فرحت اللہ سے پوچھا۔ کیا کہتے ہو۔ حکیم شاہ فرحت اللہ نے عرض کیا کہ سلسلہ فردوسیہ میں حضور۔ یہ سن کر حضرت مخدوم حسن علی لمحہ بھر کو ٹھٹھکے ہی تھے کہ حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کی روح پاک کی تشریف آوری یہ کہتے ہوئے ہوئی کہ حضرت غوث الاعظم کے ارشاد کے باوجود تاخیر کیسی؟ حضرت مخدوم حسن علی نے ساری کیفیت بیان فرمادی کہ بیعت ہونے والا سلسلہ فردوسیہ کی

طلب رکھتا ہے اور حکم قادریہ سلسلہ کا ہے۔بہتر ہے کہ مجھ فقیر کے بجائے، آپ دونوں ہی اس کام کوانجام دیں۔''

چنانچہ حکیم صاحب کی بیعت اس طرح ہوئی کہ پیرومرشد کے ہاتھ پر مخدوم جہاں کا بھی ہاتھ رہااور پیران پیر کا بھی۔

حکیم فرحت اللہ کواپنے مرشد کے بغیر چین نہ تھااور حضرت مخدوم حسن علی بھی آپ کو بے حد عزیز رکھتے۔ جب کبھی نگاہوں سے دور اپنے وطن چھپرہ تشریف لے جاتے تو مسلسل خط لکھ کر اپنا احوال مرشد کے حضور بھیجتے رہتے اور مرشد ہر خط کا جواب مکتوبی ارسال فرماتے رہتے اور اگر کبھی مکتوبات کے آنے جانے میں تاخیر ہوتی تو دونوں بے چین ہواٹھتے۔حکیم فرحت اللہ خود کو''حسن دوست'' کہلانے میں دولت دارین محسوس کرتے تو پیرومرشد بھی آپ کو''حسن دوست''ہی لکھتے۔

ان مکتوبات میں حضرت مخدوم شاہ حسن علی ان کو بے پناہ شفقت ومحبت سے کچھ اس طرح یادفرماتے رہتے:

فرزندم، نورچشم، شاہ حسن دوست، برخوردارمن، باباجان من، برخوردار میاں شاہ فرحت اللہ سلمہ، مرضی شناسا مزاج دان من، نور دیدہ من،عزیز دلہا،فرزندمن جان من وغیرہ

کاش حکیم فرحت اللہ کے بھی کچھ مکتوبات مل جاتے جوانہوں نے اپنے پیرومرشد کی خدمت میں ارسال کئے تھے تو اس وفورشوق کا اندازہ ہوتا جو اس خسروصفت مرید کے قلب مطہر میں اپنے پیرومرشد کے لئے رہا ہوگا۔

اب تک کل ۱۰۲ (ایک سو دو) مکاتیب ملے ہیں، جو حضرت مخدوم شاہ حسن علی نے حکیم شاہ فرحت اللہ کریم چکی کے نام لکھے تھے۔ ان میں ۱۰۱ کی زبان فارسی ہے اور ایک مکتوب بزبان اردو بھی ہے۔ یہ قیمتی مکاتیب پہلی بار ڈاکٹر حافظ رضوان اللہ صاحب آروی کے اردو ترجمے کی شکل میں خانقاہ منعمیہ میتن گھاٹ سے ۲۰۱۴ء میں شائع ہو چکے ہیں۔

ان مکاتیب کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مخدوم حسن علی بحیثیت پیر و مرشد، اپنے زیر تربیت مرید کی زبردست علمی و عرفانی، دینی و روحانی رہنمائی فرماتے اور اس دوران جہاں ایک طرف مرشد روحانی کا لب ولہجہ لقمۂ تر کا ذائقہ محسوس کراتا وہیں مرید کو ہر خطرۂ ظاہر و باطن سے بچانے کے لئے شیر کی نگاہ والی صفت بھی رکھتا۔ مخدوم حسن علی کی تربیت نے حکیم فرحت اللہ کو علم ظاہری میں بھی باکمال بنایا اور شریعت کی پابندی و پاسداری میں بھی چاق و چوبند فرمایا۔ ہوائے نفس کے خطرات و وساوس سے بھی خوب اچھی طرح واقف کرایا۔

حکیم فرحت اللہ اپنے محبوب ترین پیر و مرشد کی خدمت میں اکرم و مکرم بنتے چلے گئے اور کرامت کا صحیح مفہوم بھی سمجھتے چلے گئے، اسی ضمن میں ایک موقع پر مکاتیب کے آمد و رفت کی ایک جھلک ملاحظہ کیجئے:

حکیم شاہ فرحت اللہ کو اپنے حضور آنے والے جسمانی مریضوں کی صحت یابی اور شفایابی کی فکر بھی ستاتی رہتی ہے اور وہ یہ اچھی طرح جانتے تھے کہ دوا اور شفا کے درمیان حکم الٰہی اور مرضیٔ الٰہی کی جگہ ہے۔ چنانچہ اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں یہ عریضہ ارسال فرمایا:

''حضرت دعا فرمائیں کہ میرے پاس علاج کے لئے جو مریض آئے
وہ میرے علاج سے شفایاب ہوجائے، لقمہ اجل نہ بنے۔''

مرشد نے جواباً لکھا:

''علاج کرنے سے پہلے لوح محفوظ دیکھ لیا کرو۔ اگر اس کی زندگی باقی
ہو تو علاج کرو، ورنہ علاج سے پرہیز کرو۔''

مرید کے عروج روحانی کی اس سے بڑی سند اور کیا ہوگی کہ پیر خود تحریر کرے کہ لوح محفوظ دیکھ لیا کرو۔ لیکن جیسی تربیت سے پختگی پیدا کرائی گئی ہے اس کے نتیجے میں اس راہ کے بت و زنار اچھی طرح واضح ہو گئے ہیں چنانچہ اس امتحان میں حضرت حکیم فرحت اللہ یوں کامیاب ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ پیرومرشد کی بارگاہ میں پھر لکھتے ہیں:

''حضور کی خدمت میں یہ خاکسار برہمن نہیں بنا کہ پترا دیکھ کر عمل کرے۔''

تب حضرت مخدوم حسن علی نے جواباً یہ قسمت ساز ارشاد تحریر فرمایا:

''جان من۔ جس کی زندگی ہوگی وہی تم تک پہنچ پائے گا اور جس کے
لئے فیصلہ موت کا ہو چکا ہوگا وہ تم تک پہنچ ہی نہیں سکے گا۔''

چنانچہ یہی حال آپ کی خدمت میں شب و روز مشاہدہ کیا جاتا رہا۔ جو مریض آپ تک پہنچ جاتا اسے بفضلہٖ تعالیٰ شفا نصیب ہوجاتی تھی۔ آپ کی ایک نظر کیمیا اثر کا پڑ جانا صحت و سلامتی کی ضمانت بن جاتا۔

حضرت شمس تبریز و مولانا روم، خواجہ نظام الدین اولیا و حضرت امیر خسرو اور حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری و مولانا مظفر بلخی

کی پاکیزہ مثالیں، آپ کے اپنے پیرومرشد سے والہانہ عقیدت ومحبت کو دیکھ کر بہرخوبی تازہ ہوجاتی تھیں۔ اپنے لباس اور وضع قطع میں آپ اپنے شیخ کے مکمل متبع تھے۔ چنانچہ صاحب کیفیت العارفین لکھتے ہیں:

"وضع شریف آزادانہ بود۔ کفنہ و ازار باتسمہ چرم وکلاہ جعفری در لباس بود"

یہ لباس بھی پیرومرشد نے ہی آپ کے لئے تیار کرا کرارسال فرمایا تھا۔

حضرت مخدوم حسن علی نے حکیم فرحت اللہ کریم چکی کی تکمیل کے بعد نہ صرف مثال اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا بلکہ انہیں اپنا جانشیں بھی نامزد فرمایا۔ حضرت حکیم فرحت اللہ کریم چکی اپنے پیرومرشد کے حکم سے ان کی حیات میں ہی سجادۂ رشد وہدایت پر بیٹھے اور طالبین وسالکین کوراہ حق دکھانے لگے۔ ایک زمانہ آپ سے فیضیاب ہوا۔ کشف وکرامات کے اظہار سے پرہیز و اجتناب ہمیشہ ملحوظ خاطر رہتا، لیکن ہر روز اللہ تعالیٰ آپ کی ذات وصفات سے اپنے بندوں کو یوں نوازتا کہ کرامت اولیا پر ایمان تازہ ہوجاتا۔

منشی عنایت حسین صاحب (آپ کے خواہر زادے اور مسترشد) گورکھپور (اترپردیش) میں حاکم وقت کے یہاں تدریس کا شغل رکھتے تھے۔ ایک روز حاکم وقت دوران درس ایک عبارت کی تفہیم میں پریشانی محسوس کرنے لگا، منشی صاحب نے اپنے طور پر مفہوم واضح کرنے کی کوشش کی لیکن معنی اور الجھ گیا۔ حاکم وقت گوکہ زانوئے تلمذ تہہ کررہا تھا لیکن حاکمانہ مزاج کی وجہ سے سختی کی جانب مائل ہوا تو منشی صاحب نے اپنے مرشد حضرت حکیم شاہ فرحت اللہ کو یاد

فرمایا۔ حضرت حکیم صاحب اس وقت چھپرہ (بہار) میں تشریف فرما تھے۔ اسی وقت بصورت مثالی تشریف فرما ہوئے اور زیر درس صفحہ کا باضابطہ درس دیا اور اس کے معنی و مفہوم کو خوب اچھی طرح واضح فرما کر نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ یہ تشریف آوری و رخصتی صرف احساس کی حد تک نہیں تھی بلکہ زیر درس حاکم وقت نے بھی اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا کہ ایک درویش، کاندھے کالی کملیا ڈالے آئے اور منشی جی کو مفہوم و معنی واضح کر گئے چنانچہ اس حاکم وقت نے حضرت کے غائب ہوتے ہی خادموں کو ادھر ادھر دوڑایا کہ انہیں تلاش کریں لیکن کچھ اتا پتا نہ چلا۔ اس نے منشی جی سے جب حقیقت جاننا چاہی تو انہوں نے فرمایا کہ یہ ہمارے مرشد ہیں اور میری فریاد سن کر مفہوم واضح کر گئے۔

آپ بے پناہ قوت باطن کے مالک تھے اور آپ کی نگاہ باطن بھی بڑی پرتاثیر تھی۔ اپنے محبوب شیخ سے آپ کی تربیت، غیبت اور حضوری دونوں طرح ہوئی تھی اور آپ خود بھی ظاہری و باطنی (قریب و دور) دونوں طریقے سے اپنے مریدین کی تربیت و رہنمائی فرماتے تھے۔ آپ اپنے صحبت یافتہ کی استعداد اور صلاحیت کے مطابق اس کے عروج باطن اور ترقی راہ سلوک کا لحاظ کرتے ہوئے توجہ قلبی اور توجہ عینی سے نوازتے اور کبھی کبھی جادۂ صد سالہ کو اپنی نظر عنایت سے بہ آہے گاہے طے فرما دیتے، چنانچہ اعلیٰ حضرت سید شاہ قمر الدین حسین قدس سرہ (م ۱۲۵۵ھ) فرماتے ہیں:

"ایک بار چھپرہ سے عظیم آباد پٹنہ کا سفر بذریعہ کشتی آپ کی رفاقت میں طے کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ یہ سفر ایک روز سے کچھ کم کا تھا۔

دوران سفر حضرت مرشد نے مجھ پر بڑی مہربانی کے ساتھ توجہ فرمائی بلکہ اس روز مجھ پر آپ نے چالیس بار توجہ ڈالی۔"

آپ کو اللہ تعالیٰ نے چار صاحبزادے عنایت فرمائے۔ جن کی تفصیل اس طرح ہے۔
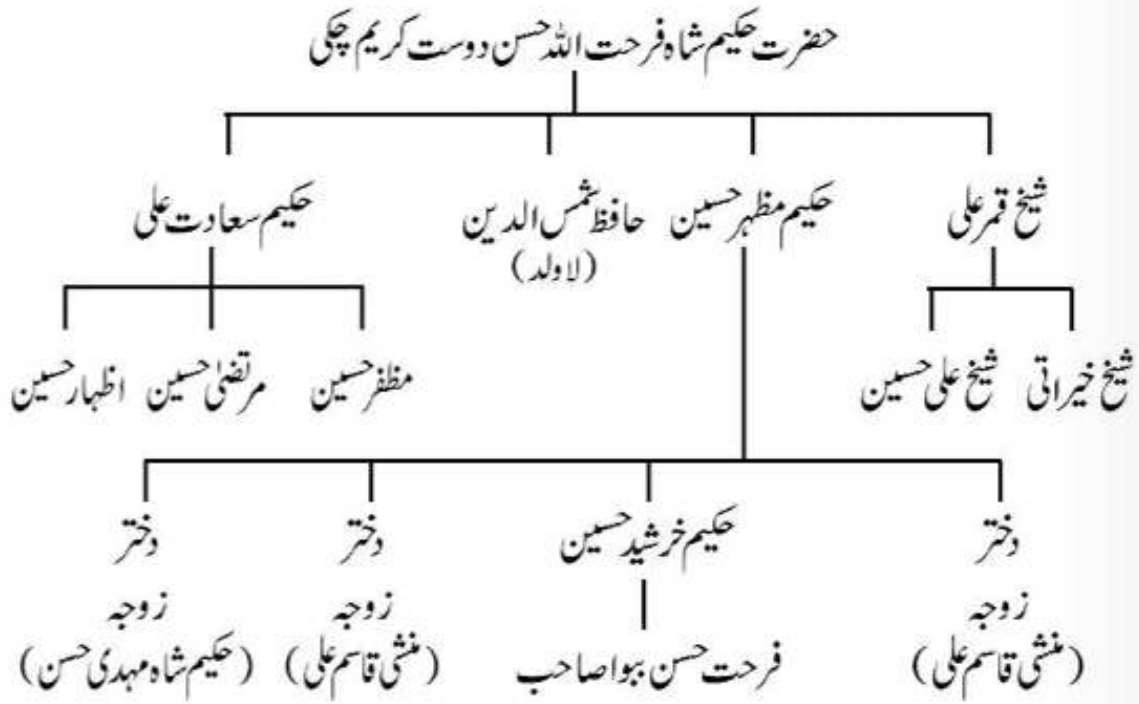
آپ کے بڑے صاحبزادے شیخ قمر علی کا انتقال آپ کے روبرو ہو گیا تھا۔ چنانچہ ایک بار آپ داناپور تشریف لے گئے اور حضرت سید شاہ غلام حسین داناپوری (مرید وخلیفہ حضرت مخدوم منعم پاکؒ) سے شرف ملاقات حاصل کیا۔ وہ خود آپ کے مرشد کے پیر بھائی بھی تھے اور ان کے صاحبزادے حضرت سید شاہ سلطان احمد داناپوری آپ کے پیر بھائی تھے اور آپ سے خانوادۂ شاہ ٹولی داناپور اور بالخصوص حضرت سید شاہ غلام حسین داناپوری کے سگے چھوٹے بھائی حضرت سید شاہ شمس الدین حسین داناپوری سے تعلقات بڑے مخلصانہ اور دیرینہ تھے۔ اس ملاقات میں ان کے صاحبزادے حضرت میر قمر الدین حسین،

آپ کی خدمت میں مصروف رہے تو دوران گفتگو حضرت حکیم صاحب نے حضرت سید شاہ شمس الدین حسین داناپوری سے فرمایا:

''آپ کے بڑے بیٹے برخوردار قمرالدین حسین میں باطنی صلاحیت خوب ہے۔ اگر اس فقیر کی صحبت اختیار کریں تو کچھ ہی عرصہ میں باطنی کمالات تک پہنچ جائیں۔''

والد ماجد نے آپ کے یہ کلمات جب صاحبزادے کو سنائے تو حضرت میر قمرالدین بے پناہ عقیدت ومحبت کے ساتھ حضرت حکیم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پھر اسی سفر میں آپ ہی کے ہمراہ داناپور سے چھپرہ چلے آئے اور تربیت باطن کا سلسلہ شروع ہوا۔ حضرت حکیم فرحت اللہ کی خاص نظر شفقت اور مرحمت حضرت میر قمرالدین حسین پر یوں رہتی کہ اپنے بڑے بیٹے کی طرح تربیت فرماتے اور محبوب رکھتے۔ حضرت میر قمرالدین بھی آپ سے اخذ فیضان پر ہمیشہ مستعد و مستحضر رہتے۔

حضرت حکیم فرحت اللہ کریم چکی، تاحیات اعلیٰ حضرت کو اسی طرح اخراجات کے لئے جیب خرچ دیتے رہے جس طرح اپنے دوسرے صاحبزادوں کو عطا فرماتے اور اعلیٰ حضرت میر قمرالدین حسین (جامع ملفوظات رسالہ مرشدیہ ومکتوبات حسنیہ وملفوظات حسنیہ) بھی اپنی ضرورتیں اسی رقم تبرک سے پوری فرماتے رہے۔

پیر ومرشد حضرت مخدوم شاہ حسن علی کے پہلے عرس کے موقعہ (۱۲۲۵ھ) پر آپ پٹنہ تشریف لائے اور اپنے پیر ومرشد کا عرس خواجہ کلاں میں انجام دے کر

واپس ہوئے۔ چند ماہ اور گذرے، شعبان کا مہینہ آیا تو فرمانے لگے:

''اب میری رحلت قریب معلوم ہوتی ہے۔ چاہتا ہوں کہ مظفر پور جاؤں اور اپنے پیر و مرشد کی وصیت کے مطابق بھائی سلطان احمد (داناپوری) کی تکمیل تعلیم کے لئے سینہ بسینہ، گوش بگوش والا طریقہ بھی انجام دے دوں۔''

ان دنوں حضرت شاہ سلطان احمد داناپوری (والد ماجد حضرت سید شاہ عطا حسین فانیؔ داناپوری ثم گیاوی) مظفر پور میں ناظر کے عہدے پر فائز تھے۔ چنانچہ اسباب سفر درست کئے گئے اور جب روانگی کا وقت ہوا تو قصبہ کھجوہ (سیوان) سے یہ خبر آ گئی کہ آپ کی بڑی ہمشیرہ کے داماد ایک مہلک مرض میں گرفتار ہو گئے ہیں اور سب آپ کی آمد کے محتاج و امیدوار ہیں کہ آپ فوراً آئیں اور علاج فرمائیں۔ حضرت یہ خبر سن کر افسوس فرمانے لگے اور کہنے لگے کہ بھائی سلطان سے اب ملاقات نہیں ہوگی۔ اسی وقت بذریعہ سواری بجائے مظفر پور کے کھجوہ روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ مریض حالت استسقاء میں بھیگ چکا ہے اور آثار زندگی ندارد ہیں۔ آپ نے اپنی ہمشیرہ سے فرمایا کہ اس کا مرض اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ اگر اسے سلب کرنے اور کھینچنے کی کوشش کی جائے تو خود اپنی زندگی سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ ہمشیرہ اور اصرار کرنے لگیں کہ کچھ تو ترکیب کرو کہ اس کی زندگی بچ جائے چنانچہ حضرت نے وضو فرمایا اور دو رکعت نماز ادا فرمائی اور مریض کو اپنے سامنے بیٹھا کر باندازِ خاص ایک توجہ (توجہ سلبی) ڈالی اور دیکھتے دیکھتے مہلک مرض کو، جو آخری حد پار کر چکا تھا سلب

فرمالیا۔مریض دیکھتے دیکھتے صحیح وتندرست ہوگیا اور وہی عارضہ اسی وقت خود حضرت میں پورے زور کے ساتھ عود کرآیا۔آپ نے اسی حالت میں ارشادفرمایا کہ

''میں نے اپنی بقیہ عمر اس کو بخشی''

پھر وصیت فرمائی کہ

''جب تک میرے بیٹے عزیزی مظہر حسین چھپرہ سے نہیں آجاتے تب تک میری میت کی ہرگز تدفین نہ کی جائے''

یہ سن کر کھجوہ کے مشہور رئیس دیوان ناصر علی جو آپ کے ہمزلف کے صاحبزادے تھے،آپ کی خدمت میں عرض گذار ہوئے کہ ''حضرت قبر مبارک یہیں بنے تو عام لوگوں کو زیارت کا زیادہ موقع ملے۔حضرت نے فرمایا دیکھنا یہ ہے کہ مظہر حسین (میرے ولی) کی خواہش کیا ہے؟

یہ سب واقعہ ۹ شعبان ۱۲۲۵ھ کے دن کا ہے۔ جب رات ہوگئی تو آپ نے اسی تکلیف وعارضہ میں نماز عشاء ادا فرمائی اور پھر چادر اپنے روئے انور پر ڈال کر کلمۂ شہادت پڑھا اور روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔

دس شعبان کو حضرت شاہ مظہر حسین کھجوہ پہنچے اور آپ کا جنازہ چھپرہ لایا گیا اور کریم چک میں تدفین ہوئی۔آج بھی آپ کا بافیض آستانہ کریم چک چھپرہ میں مرجع خاص وعام ہے۔

قاضی محمد اسمعیل قدیمی نے اخبار الاولیا میں مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ نقل فرمایا ہے :

چونکہ امام دین شہ عالی شاہ حسن دوست عاشق مولا
شد بلقای ربّی واصل ہمچوکہ برسد قطرہ بدریا
طایر روحش قفس تن را بشکست و بپرید بعلا
سال وصالش رامی جستم گشت ازان حضرت بمن القا
قال امیر المومنین حیدر فزت و برب الکعبۃ ابدا

۱۲۲۵ھ

آپ نے بڑے اخفائے حال اور گوشہ نشینی کے ساتھ رشد و ہدایت کا فریضہ انجام دیا۔ طبابت کے پردے میں خلق اللہ کی خدمت کے بہانے اگر کوئی صاحب استعداد و صلاحیت نظر آتا تو اس پر محنت فرماتے اور مرتبہ کمال تک پہنچا دیتے۔ اپنے شیخ کی طرح راہ طریقت کے لئے شریعت کی پابندی کو لازم بتاتے اور علم ظاہر کے بغیر ترقی راہ سلوک کو مشکل سمجھاتے، اخلاق کی پاکیزگی اور کردار کی بلندی کو اس راہ میں فرض قرار دیتے۔ آپ کے مریدین کی تعداد کثیر تھی مشہور خلفاء مندرجہ ذیل ہیں:

۱. اعلیٰ حضرت سید شاہ قمر الدین حسین عظیم آبادی (م ۱۲۵۵ھ)

۲. حضرت حکیم شاہ مظہر حسین کریم چکی، صاحبزادہ وسجادہ (م ۱۲۷۱ھ)

۳. حضرت شاہ فضل علی (خواہرزادہ)

۴. منشی شیخ عنایت حسین (خواہرزادہ)

حضرت سید شاہ فرید الدین احمد داناپوری (ابن حضرت سید شاہ غلام حسین داناپوری، م ۱۲۵۴ھ) بھی آپ کے مسترشد تھے اور مریدین میں حکیم جواد علی صاحب مرحوم بھی تھے جو فن طبابت میں بھی آپ کے شاگرد تھے۔ آپ کے صرف دو خلفاء کے ذریعہ آپ کا سلسلہ عظیم الشان وسعت پا گیا۔ ایک اعلیٰ حضرت سید شاہ قمرالدین حسین اور دوسرے آپ کے بلند اقبال صاحبزادے اور جانشیں حضرت حکیم شاہ مظہر حسین کریم چکی۔

راہ سلوک طے کراتے ہوئے کبھی کبھی آپ ہدایت ورہبری کے لئے قلمی خدمت بھی انجام دیتے۔ کبھی اس میں سالک کے لئے ضروری اور غیر ضروری، مفید اور ضار کی تشریح ہوتی اور کبھی کسی عقدۂ لاینحل کا حل ہوتا یا کسی آیت کی تشریح، چنانچہ آپ کی مندرجہ ذیل تصنیفات کے قلمی نسخے مختلف کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں۔

۱۔ اسرارالصلوۃ:

بزبان فارسی یہ ایک مختصر رسالہ ہے جس میں نماز کے اسرار اور اس کے ارکان کی حکمتوں کو بیان فرمایا ہے۔ جس کے بار بار مطالعہ کی روشنی میں ایک سالک اپنی نماز کے لطف کو پہلے سے سوا اور اس کے فوائد کو بیش بہا پاتا ہے۔ اس رسالہ کا اردو ترجمہ پہلی بار خانقاہ منعمیہ میتن گھاٹ پٹنہ سیٹی سے 2016 میں مع متن فارسی شائع ہوگیا ہے۔

۲۔ رسالہ درشرح آیت قطبین:

یہ رسالہ دراصل ایک طویل مکتوب ہے جسے حضرت حکیم فرحت اللہ حسن دوست کریم چکی نے اپنے صاحبزادے حکیم شاہ مظہر حسین کے نام لکھا ہے اور اس میں قرآن کریم کی دوآیتوں کی تشریح وتوضیح نیز راہ سلوک کے آداب واطوار کے حوالہ سے بے حد مفید گفتگو کی گئی ہے۔اس کے دو قلمی نسخے خانقاہ منعمیہ میتن گھاٹ کے کتب خانے میں محفوظ ہیں۔

۳۔ مکتوبات:

خانقاہ منعمیہ میتن گھاٹ میں دست خاص کے نوشتہ مکاتیب، حضرت سید شاہ سلطان احمد داناپوری، اعلیٰ حضرت سید شاہ قمر الدین حسین قدس سرہٗ اور دیگر عزیزوں کے نام موجود ہیں۔

۴۔مظہر الاسرار: (اس پر تفصیلی گفتگو آگے آئی ہے۔)

۵۔منظومات:

آپ ذوق وکیفیت کے مطابق کبھی کبھی شعر وسخن کی جانب بھی متوجہ ہوتے، چنانچہ یہ دو منظوم کاوشیں آپ کی محفوظ ہیں۔

چند اشعار در بیان مراقبہ

اسم چون ملحوظ گردد اے عزیز — بہرہر اسمے مسمے ہست نیز
پس ترا بایدکہ عرفانش کنی — جان خود پیوند ازجانش کنی
جان چہ باشد ذات حی لایموت — ذرہ و ذرات از و دارد ثبوت
پرتو ذاتش محیط عالم ست — مظہر خاصش وجود آدم ست

سرآدم گشت فخر کائنات ذاتش آمد جامع اسما صفات
من ترا گویم نظیر این چنین لفظ بامعنی خود پیوستہ بین
اسم چون جسم ست معنیٰ جان او جان تو چون لفظ آمد اندر او
گرتو میخواہی کہ عرفانم کنی جان خود پیوند از جانم کنی

دیگر

جان من اول سبیلے بایدت بہرآن راہ دلیلے بایدت
پس دلیل این رہ ترا جز عشق نیست ہادی این رہ ترا جز عشق نیست
از خدا ہمت بخواہ و عشق خواہ میرساند عشق او را تا الہ
ھیچ جز عشقش نہ باشد ہمرھے بہتر از عشقش رہبرے
چون شود جلوہ فروزان شاہ عشق شاہ عشق آید تراہمراہ عشق
عشق برباید دل وجان ترا تا نماید روے جانان ترا
عشق تعبیر از صراط مستقیم عشق تفسیر از صراط مستقیم
بادل وجان تو گدائے شہ شوی از گدائی وآن شہ شوی
تاشوی آگاہ از فقر فقیر فقر فخری گفت آن شاہ امیر
تاتو فارغ کردی از ہر وجہہ رو کل شیئ ھالک الا وجہہ
دید جان باشد ترا وجہہ اللہ بگذری ازروی مہرویان ماہ
اسم ورسم خویش وزعیال خویش گم کنی دراسم و رسم شاہ خویش

حضرت حکیم شاہ مظہر حسین قدس سرہ

حضرت حکیم شاہ مظہر حسین قدس سرہ 1195ھ میں پیدا ہوئے ''مظہر کل'' سے سن ولادت اخذ ہوتا ہے۔ پرورش و پرداخت والدین کے زیر سایہ ہوئی ہے، مزید یہ کہ حضرت شاہ عزت اللہ قادری کی بھی نگاہ شفقت میسر رہی۔ پورا خاندان علم وحکمت کا دلدادہ تھا۔ چنانچہ علم ظاہر سے بہرخوبی مالا مال ہوئے۔ علم طب بھی اپنے خاندان کے بزرگوں سے بھرپور حاصل کیا۔ بعدہ اپنے والد کے دست حق پرست پر سلسلہ عالیہ قادریہ منعمیہ میں بیعت ہوئے اور حصول نعمات وترقی مدارج کیلئے باضابطہ حلقہ ارشاد میں شامل ہوئے۔ اپنے دوسرے بھائیوں کی بہ نسبت علم طریقت کی طرف آپ کا رجحان زیادہ تھا۔ استعداد بلند رکھتے تھے اور لیاقت وافر کے آثار چہرے سے نمایاں تھے۔ انہیں وجوہات کی بنا پر آپ اپنے والد کو بے انتہا محبوب تھے۔ حضرت حکیم شاہ فرحت اللہ کریم چکی قدس سرہ نے آپ کی تربیت پر بالخصوص توجہ فرمائی یہاں تک کہ آپ اپنے والدین وپیران سلسلہ واخوان طریقت کیلئے سامان فخر وناز ثابت ہوئے۔

حضرت سید شاہ عطا حسین فانی گیاوی ؒ کیفیت العارفین میں آپ کی تربیت و تکمیل تعلیم کی طرف یوں اشارہ کرتے ہیں:

''درعرصہ چند بریاضت شاقہ وکثرت مراقبہ سلوک طئے نمودند۔ صاحب الکیفیت والحال گشتہ درعلم تحقیق از مشائخین گوئے سبقت ربودند۔''

بشرۂ مبارک سے جب کیفیت وحال جھلکنے لگا تو حضرت حکیم شاہ فرحت اللہ کریم چکی قدس سرہ نے خرقہ خلافت واجازت سے بھی نوازدیا۔ حضرت شاہ عزت اللہ قادری وارثی قدس سرہ نے بھی اپنے سلسلہ قادریہ کی اجازت عطا فرمائی اور خرقہ خلافت عطا فرمایا۔

حضرت حکیم شاہ فرحت اللہ کریم چکی (المتوفی 1225ھ) کے بعد سجادہ پر حضرت حکیم شاہ مظہر حسین ؒ رونق افروز ہوئے اور اس طرح آپ کے ذریعہ باضابطہ رشد وہدایات کا سلسلہ شروع ہوا۔

حضرت حکیم شاہ مظہر حسین کریم چکی قدس سرہ کی عظمت وبزرگی کے چرچے آج بھی عام ہیں اور معاصر بزرگوں کی تصنیفات وتالیفات میں بھی آپ کی قدر ومنزلت کے واضح اقرار ملتے ہیں۔

عاجزی وانکساری آپ کے اندر بدرجہ اتم موجود تھی آپ کی بلندی استعداد ضرب المثل ہے۔ باوجودیکہ اپنے والد کے حضور آپ کی تکمیل ہوچکی تھی اور آپ کا رشد جاری ہوچکا تھا۔ دیگر مشائخ زمانہ سے بھی آپ نے کسب فیض فرمایا اور اجازت سلسلہ واخذ نسبت فرمایا۔ چنانچہ حضرت حاجی عبدالرشید نقش بندی مجددی سے آپ نے سلسلہ نقش بندیہ مجددیہ کی اجازت حاصل کی (کیفیت

العارفین) اور حضرت خواجہ میر درد دہلویؒ کے خلفاء میں کسی بزرگ سے طریقہ محمدیہ حاصل کیا(اخبارالاولیاء) دیگر سلاسل کی اجازت وخلافت کا منشا ومقصد صرف سلاسل کی بھیڑ کرنا نہیں تھا، بلکہ آپ خود ان سلاسل کے تیور وآہنگ سے بہرخوبی واقف تھے اور ان سلاسل کے فیوض وبرکات کے صحیح معنی میں طالب کا درجہ رکھتے تھے چنانچہ صاحب اخبارالاولیاءفرماتے ہیں:

''کتب ہائے ایں طایفہ چنانکہ بملاحظہ شریف آنحضرت می ماند بکسے میسر نیز نخواہد آمد، تحقیقات مضامین ایں طایفہ چنانکہ بادنائے آنحضرت مشق است بکاملین دیگر رسائی نیز نخواہد گشت''

مسائل تصوف کی تفہیم وتحقیق جیسی آپ کو حاصل تھی اور سالک راہ طریقت کی حیثیت سے منازل معرفت وحقیقت سے جیسی شناسائی آپ کو نصیب تھی وہ اپنی مثال آپ تھی، چنانچہ آپ کے محقق عصر ہونے کا پتہ صاحب کیفیت العارفین یوں دیتے ہیں:

''شیخ المحققین (حکیم شاہ مظہر حسین) فی زماننا محقق وقت اند''

محقق زمانہ ہی غوث وقت کے مرتبہ تک پہونچ سکتا ہے۔

چنانچہ صاحب الاخبارالاولیاءفرماتے ہیں:

''باوجودیکہ غوث وقت اندگاہے تصرفات وکرامات متوجہ نیز نمی شوند''

تصرفات وکرامات سے پرہیز آپ کی فطرت خاصہ میں شامل تھا۔

درآں حالیکہ عوام میں اولیاءاللہ کی شناخت ہی تصرفات وکرامات کا اظہار ہے اور

ایسا سمجھا جاتا آیا ہے کہ مافوق الفطری افعال وچمتکار ہی اولیاء اللہ کے شایان شان ہے۔ حضرت حکیم شاہ مظہر حسین مسلم الثبوت ولی کامل ہونے کے باوجود ''الکرامتہ حیض الرجال'' فرما کرحتی الامکان اپنا دامن تقدس کرامات کے اظہار سے بچالے جاتے۔ چنانچہ صاحب کیفیت العارفین لکھتے ہیں:

''باوجود ایں مراتب درمزاج شریف عجز بسیار است

وخودرا احدامن الناس میدانند وتکلف ظاہری ہیچ ندارند''

حضرت حکیم شاہ فرحت اللہ کریم چکی قدس سرہ، کیفیات استغراق وبیخودی کیلئے اپنے ہم عصر مشائخ میں بے مثال تھے۔ آپ نے اپنے خلفاء میں دو حضرات کی تعلیم بطور خصوص انہیں کیفیات کے تحت فرمائی تھی۔ یعنی قطب العصر حضرت میر سید شاہ قمرالدین حسین عظیم آبادی قدس سرہ اور حضرت حکیم شاہ مظہر حسین کریم چکی قدس سرہ۔ حضرت میر قمرالدین کے 1255ھ میں وصال کے بعد حضرت حکیم مظہر حسین قدس سرہ ہی ان کیفیات کے سب سے بڑے امین تھے۔

نسبت استغراقیہ دراصل سلسلہ عالیہ فردوسیہ کی خاص کیفیات میں سے ہے۔ حضرت مخدوم شاہ محمد منعم پاک قدس سرہ کا آخری دور انہیں کیفیات کا مظہر تھا۔ حضرت مخدوم شاہ حسن علی منعمی عظیم آبادی قدس سرہ تو بیعتاً بھی فردوسی تھے۔ ان کی ذات پاک میں استغراق وبیخودی کی کیفیت بدرجہ اتم موجود تھی۔ پھر ان کے محبوب ترین خلیفہ ومجاز حضرت حکیم شاہ فرحت اللہ المخاطب بہ حسن دوست اس کیفیت کے سرچشمہ تھے۔ صاحب کیفیت العارفین فرماتے ہیں :

''نسبت استغراقیہ وبیخودی بحدے غالب است از اثر توجہ
بر دیگران ہمان حالت دست می دہد اکثر بہ یک حالت تا عرصہ
می مانند ودر مقام حیرت می باشند نادانستگان آں را بے شغلی
محض میدانند۔''

انہیں صفات کی بنا پر حضرت حکیم شاہ مظہر حسین قدس سرہ کی طرف صاحبان علم متوجہ ہوئے۔ دور دور سے طالبان طریقت آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور تکمیل طریقہ کی نعمت سے سرفراز ہوئے۔ حضرت شاہ محمد یحییٰ ابوالعلائی عظیم آبادی صاحب ''کنزالتواریخ'' فرماتے ہیں:

صحبت او زنگ باطن رانمودی آئینہ   مبتدی از فیضش بیکدم منتہی

حلقہ مرید ومسترشدین کافی وسیع تھا۔ مسترشدوں میں شیخ شرف الدین وشیخ عطامحی الدین کافی مشہور ہوئے اور خلفاء میں چند مشہور ومعروف ہستیاں یہ ہیں۔

(۱) حضرت حکیم شاہ خورشید حسین کریم چکی (صاحبزادہ ومرید وخلیفہ ومجاز) (۲) حضرت حکیم شاہ مہدی حسن کریم چکی (خویش ومرید وخلیفہ ومجاز) (۳) حضرت شیخ شجاعت حسین (۴) حضرت حکیم مظفر حسین کریم چکی (۵) حضرت شاہ حبیب الحسنین۔

قطب وقت حضرت میر سید شاہ قمرالدین حسین قدس سرہ نے 1255ھ میں وصال فرمایا تو ان کے حلقہ استرشاد میں شامل بعض بزرگوں نے اپنی تکمیل نسبت یا مزید نعمات کے حصول کی خاطر حضرت حکیم شاہ مظہر حسین کریم چکی قدس سرہ کی طرف رجوع کیا اور فیض یاب ہوئے ان بزرگوں میں قابل تذکرہ شخصیتیں یہ ہیں۔

(۱) حضرت سید شاہ علی حسین داناپوری (نبیرہ حضرت سید شاہ غلام حسین منعمی داناپوری) (۲) حضرت سید شاہ علیم الدین بلخی رائے پوری (۳) حضرت شاہ محمد واجد داناپوری (نواسہ حضرت سید شاہ غلام حسین منعمی داناپوری)
(۴) حضرت سید شاہ وجہ اللہ قمری ابوالعلائی عظیم آبادی (شاہ کی املی)

حضرت حکیم شاہ مظہر حسین قدس سرہ کو اللہ پاک نے 3 صاحبزادیاں اور ایک صاحبزادہ عنایت فرمایا۔ بڑی صاحبزادی منشی قاسم علی سے منسوب تھیں، جن سے دو صاحبزادے حکیم محمد حاجی ومقبول حسین ہوئے۔ دوسری صاحبزادی شیخ مظفر حسین سے منسوب تھیں جن سے دو صاحبزادے حکیم نصیرالدین حسین وزین الدین حسین تولد ہوئے۔ تیسری صاحبزادی حضرت حکیم شاہ مہدی حسن کریم چکی کی زوجہ تھیں۔ جن سے چھ صاحبزادے شاہ ہادی حسن، شاہ آل حسن شاہ محمد حسن ،عرف منان میاں وشاہ واجد حسین وغیرہم تولد ہوئے۔

حضرت حکیم شاہ خورشید حسین، حضرت حکیم شاہ مظہر حسین قدس سرہ کے واحد صاحبزادے تھے جنہوں نے اپنے والد کی زندگی میں 37 سال کی مختصر سی عمر پاکر 1262ھ میں ایک صاحبزادہ حضرت شاہ فرحت حسن عرف بوا صاحب اور چند صاحبزادیوں کو چھوڑ کر وصال فرمایا۔

حضرت حکیم شاہ خورشید حسین نے علم ظاہر ملا حسن و ملا اسمٰعیل صاحب سے حاصل فرمایا تھا اور کتب حکمت اپنے والد سے تمام کیں تھیں۔ پھر اپنے والد کے حلقہ ارشاد میں شامل ہوئے اور بیعت کے بعد باضابطہ تربیت ومجاہدات کا دور شروع ہوا۔

بہت جلد مراتب طے کرتے گئے اور فیوض سے مالا مال ہوتے رہے ہمعصر پیرزادوں میں آپ کا مقام بہت نمایاں تھا۔آپ کی شادی قصبہ کھجوہ میں ہوئی ۔آپ کی بارات میں قطب وقت حضرت سید شاہ قمرالدین حسین فرحتی البرکاتی عظیم آبادی قدس سرہ بہ نفس نفیس موجود تھے۔حضرت خورشید حسین قدس سرہ سے بہت اچھی امیدیں وابستہ تھیں۔لیکن اللہ پاک کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اپنے والد کے وصال سے 9 سال قبل ہی داغ مفارقت دے گئے۔

حضرت حکیم شاہ مظہر حسین قدس سرہ نے 13 ربیع الآخر 1271ھ کو بدھ کے دن اس جہان فانی سے کوچ کیا اور کریم چک میں ہی اپنے والد و شیخ کے قریب دفن ہوئے۔نوراللہ تعالیٰ مرقدہ وقدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز۔

حضرت مولانا محمد سعید حسرت عظیم آبادی نے عربی وفارسی میں قطعات تاریخ کہے۔

عارف باللہ فان فی الاحد　　　الذی کان اسمہ مظہر حسین

بعد النقل من دار الفنا　　　جنتہ الماویٰ بلا ریب و مین

ان اردت الکشف عن تاریخہ　　　اسقط الاثنین عن مظہر حسین

حضرت شاہ محمد یحییٰ ابوالعلائی عظیم آبادی نے بھی چھ عدد قطعات کہے اور بلغ العلاء بکمالہ واہ شیخ عالی مرد وغیرہ سے سن وصال 1271ھ اخذ کیا۔

حضرت شاہ محمد قاسم داناپوری مصنف نجات قاسم واعجاز غوثیہ (المتوفی 1281ھ) حضرت حکیم شاہ مظہر حسین کے وصال کے وقت سوہاگی گھاٹی متعلقہ ریاست ریوان میں تھے۔وہاں سے اس حادثۂ جانکاہ پر اپنے تعزیتی خط میں

حضرت حکیم صاحب کے یکتائے روزگار ہونے کی طرف یوں اشارہ کرتے ہیں:

''فی الحقیقت کہ چنین شیخ کامل واکمل ہمچو جناب حکیم صاحب قدس سرہ فی زماننا ناپیداست صوبہ بہار چہ بعند یہ خاکسار تمام ہندوستان خالی شد چہ شرقا وغرباً ازمرشد آباد تا ہانسی حسار دجنوباشمالا ازکنارہ دریائے نربداتا بکوہستان الموڑہ جہانے گردیدم وخلقتے دیدم کسے درپا سنگ رتبہ ومنزلت آں بزرگوار عالی مقدار بہ نظر نیامد۔ واویلا صد واویلا واحسرتا صد واحسرتا حریفاں بادہا خوردندہ رفتند تہی خمخانہ کردند ورفتند''۔

(مورخہ ۷رفروری ۱۸۵۵ء)

حضرت حکیم شاہ مظہر حسینؒ کی کسی باضابطہ تصنیف کا مجھے علم نہیں لیکن آپ کے مکتوبات کا ایک مختصر مجموعہ خانقاہ بلخیہ رائے پور فتوحہ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ جس کی ایک نقل خانقاہ منعمیہ قمریہ ملامیتن گھاٹ، پٹنہ سیٹی میں بھی موجود ہے۔ نموتناً ایک مکتوب شریف ہدیہ ناظرین ہے۔

''نور چشم من سلمہ اللہ تعالیٰ خاکسار مظہر حسین قادری المنعمی سلام و دعا میرساند هرگاه بطرف قلب متوجه شده به یقین بدانند که در دل اوست و در جان اوست بلکه خود جان اوست و خود تن اوست و پیدا اوست ومنصرف اوست ومحرك اوست ومسکن اوست وبینا اوست ودانا اوست وشنو اوست

و گویا اوست و توانا اوست و زندہ اوست و باقی
اوست وھمہ ازوست وھمہ اوست چنانچہ
بارہا فہمایندہ بندہ ام دریں لحاظ وشغل
چناں باید کرد کہ چنانچہ اوست جلو ہ گر
شود وازعلم الیقیں بعین الیقین وازعین
الیقین بحق الیقین پیوند د۔زیادہ
والدعا۔فقط۔"

خانقاہ منعمیہ قمریہ ملا متین گھاٹ پٹنہ سیٹی میں دست خاص کے نوشتہ چند مکتوبات ونسخجات اورنقوش وغیرہ بھی موجود ہیں۔ یہ مکتوبات قطب العصر سید شاہ قمرالدین حسین ،قدس سرہ اور حضرت مولانا سید شاہ مبارک حسین داناپوری قدس سرہ کے نام ہیں۔ حضرت قطب العصر میر قمرالدین حسین قدس سرہ ، حضرت حکیم شاہ فرحت اللہ کریم چکی قدس سرہ کے تربیت یافتہ ومسترشد تھے۔لیکن نسبت استغراقیہ وبیخودی کے ملک ہوجانے کے بعد تحریری خلافت نامہ عطا نہ ہوا تھا کہ حضرت حکیم شاہ فرحت اللہ قدس سرہ نے وصال فرمایا۔ چنانچہ فاتحہ چہلم کے روز حضرت حکیم شاہ مظہر حسینؒ نے اپنے والد ماجد کی جانب سے مثال خلافت تحریر فرما کر حضرت میر قمرالدین قدس سرہ کو عطا فرمایا۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت میر قمرالدین قدس سرہ آپ کا بے انتہا احترام فرماتے بلکہ اپنے مسترشدوں کو جب بھی حضرت حکیم شاہ فرحت اللہ کریم چکی قدس سرہ کے سلسلے کا شجرہ عنایت فرماتے تو اپنے نام سے قبل مرشد کی جگہ احتراماً حضرت حکیم شاہ مظہر حسین قدس سرہ کا نام نامی لکھتے بعد اس کے حضرت حکیم شاہ فرحت اللہ قدس سرہ کا نام پاک تحریر فرماتے ،لیکن حضرت حکیم مظہر حسین قدس سرہ ، حضرت میر قمرالدین حسین قدس

سرہ کو اپنے مکتوبات میں یوں مخاطب فرماتے ہیں :

''بخدمت شریف برادر صاحب شفقت وعنایت فرمائے خاکساران مولانا سید شاہ قمرالدین حسین صاحب زاد عنایاتکم خاکسار مظہر حسین قادری المنعمی سلام مسنون گزارش میدارد۔''

حضرت میر قمرالدین قدس سرہ کے نام زیادہ تر خطوط ذاتی ہیں۔ جس سے آپسی قربت ویگانگت کا پتہ چلتا ہے۔ حضرت میر قمرالدین کے وصال (۱۲۵۵ھ) کے بعد ان کے صاحبزادے اور جانشیں حضرت سید شاہ مبارک حسین قدس سرہ کے لئے حضرت حکیم شاہ مظہر حسین قدس سرہ کی ذات پاک والد کا بدل تھی۔ چنانچہ حضرت حکیم صاحب قدس سرہ نہایت ہی شفقت فرماتے، محبوب رکھتے اور مکتوبات میں اس طرح مخاطب فرماتے۔

''برخوردار نور چشم راحت جانم سید شاہ مبارک حسین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ''

حضرت حکیم شاہ مظہر حسین قدس سرہ اپنے مکتوبات میں مخاطبت وسلام اور کلام سے قبل ''ھوالمنعم'' کی سرخی لگاتے۔ آپ کے حروف میں ایک خاص قسم کی کشش ہے جو دیدار سے تعلق رکھتی ہے۔

ایک مختصر نثری پندنامہ بھی بزبان فارسی حضرت حکیم شاہ مظہر حسین قدس سرہ کی طرف منسوب ہے جو سالکان شغل کلمۃ الحق کیلئے 22 پندوں پر مشتمل ہے۔

مظہرالاسرار

مظہرالاسرار کے دو قلمی نسخے خانقاہ منعمیہ میتن گھاٹ کے کتب خانے میں محفوظ ہیں اور متعدد خانقاہوں میں اور ذاتی ذخیروں میں اس کے خطی نسخے پائے جاتے ہیں۔ حضرت حکیم شاہ فرحت اللہ کریم چکی اور اعلیٰ حضرت میر قمرالدین حسین عظیم آبادی کی تالیفات وملفوظات کی حیثیت منعمی ابوالعلائی سلسلے کے مراکز اور افراد کے لئے دستورالعمل کی تھی۔ اسی لئے اس کی نقول بکثرت ہوئیں اور یہی نمونہ عمل رہا۔ امتداد زمانہ سے بے شمار ذاتی ذخیرے اور خانقاہی کتب خانے برباد ہوئے پھر بھی بعض قدردانوں کے یہاں اس کے نسخے فی زمانناً بھی موجود ہیں۔

نسخہء اول: 92 اوراق پر مشتمل ہے۔ لیکن کاتب لامعلوم ہے۔ قیاس اغلب ہے کہ سن کتابت 1255ھ سے 1300ھ کے درمیان ہے۔

نسخہ دوم: 34 اوراق پر مشتمل اس نسخے کے کاتب حضرت سید شاہ فدا حسین ابوالعلائی المنعمی ہیں کتابت 8 ربیع الاول 1340ھ کو تمام ہوئی ہے۔

خانقاہ بلخیہ رائے پورہ فتوحہ میں بھی اس کا ایک خطی نسخہ موجود ہے جو تحقیق متن اور ترتیب کے دوران پیش نظر رہا ہے۔ 36 اوراق پر مشتمل نسخہ بلخیہ کے

کاتب حضرت سید شاہ غلام مظفر بلخی الفردوسی (م 1324ھ) اور اس کی کتابت جمعرات 19 محرم الحرام کو حاجی محمد رضا یکے از خدام آستانہ حضرت مخدوم جہاں کے مکان پر تمام ہوئی، لیکن سن درج نہیں۔ قیاس ہے کہ اس کی کتابت 1270ھ سے 1300ھ کے درمیان ہوئی ہوگی۔ ان تینوں خطی نسخوں میں درمیان متن کوئی قابل تذکرہ اختلاف نہیں ہے۔

پیش نظر مظہر الاسرار کے اردو ترجمہ کی ہندوستان میں پہلی اشاعت ہے لیکن مظہر الاسرار پہلی بار مارچ 2000ء میں ایجوکیشنل پریس کراچی سے شائع ہوئی تھی۔ اس اشاعت میں فارسی متن اور اس کا ترجمہ آمنے سامنے شائع ہوا تھا۔ مولانا محمد عارف کمال نقشبندی، سابق خطیب جامع مسجد حنفی، لانڈھی (مرید پیر سید احمد علی شاہ نقشبندی سیفی)، اس اشاعت کے اردو مترجم ہیں۔ وہ پہلا ترجمہ اور یہ دوسرا ترجمہ جو آپ کے ہاتھوں میں ہے بلا تبصرا آپ کی نذر ہے۔ مثال کے طور پر مظہر الاسرار کی مندرجہ ذیل عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

”از اول بیداری تا ہنگام خواب خواہ روز خواہ شب بے وضو نہ باشد و ہیچ آبے و طعامے بے وضو نخورد تا بر نفس کافر و عدو ظفر یابد و بعد ہر وضو دوگانہ تحیت الوضو بگذارد کہ فوائد و ثمرات ایں بے غایت است و اوقات خمسہ را اگر توانی با جماعت مامور داری“

اب اس اقتباس کا دونوں ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

ترجمہ مولانا عارف
اشاعت 2000

"ایک ہنگامی خواب سے بیدار ہوا تو دیکھا کہ روز شب اپنے آپ کو بے وضو پاتا ہوں اور بے وضو رہنا مسلمانوں کا شان نہیں ہے اور کم کرنا ہوگا کھانا پینا وغیرہ کو تا کہ نفس مجھے بے وضو نہ رکھ سکے اگر اس کا انکار کرنے والا ہے تو اس پر نفس غالب آجاتا ہے اور ہر وضو کرنے کے بعد تحیۃ الوضو پڑھے اس کے بے شمار فائدے ہیں اور اوقات خمسہ کو پایا تو جماعت کے ساتھ ادا کرے اس صورت میں نماز پنج گانہ نہیں چھٹے گا۔"

پیش نظر ترجمہ بدر عالم
خلش اشاعت 2017

" لہٰذا چاہے دن ہو چاہے رات، بیداری کی اولین ساعت ہو یا نیند کی حالت بے وضو نہ رہے اور بے وضو نہ کچھ کھائے نہ پیے تا کہ اس دشمن وکافر نفس پر فتح حاصل ہو اور ہر وضو کے بعد نماز تحیۃ الوضو ادا کرے کیوں کہ اس سے بے شمار فائدے حاصل ہوتے ہیں اور جہاں تک ہوسکے پنج وقتہ نماز کی باجماعت ادائیگی کا پابند رہے۔"

مترجم جناب بدر عالم خلش صاحب (جمشید پور) کے ہم سب مشکور و ممنون ہیں کہ انہوں نے بڑی محنت، سنجیدگی اور خلوص کے ساتھ مظہر الاسرار کے ترجمے کو انجام دیا۔ حضرت خلش موصوف بظاہر زبان وقلم، علم وادب سے الگ مصروفیت میں گرفتار رہے لیکن ان کی علمی وادبی خلش ہی ان کے تخلص کو اسم با مسمی بنائے رہتی ہے۔ جناب خلش نے عربی، فارسی اور اردو زبان وادب کو کس سلیقے اور قرینے سے حاصل کیا ہے اس کا اندازہ ان کے اس غیر پیشہ ورانہ ترجمے

سے صاف ظاہر ہے۔ زبان اور ادب کے ساتھ ساتھ ان کے ذوقِ تصوف نے ترجمے کو کہیں بھی موضوع سے متصادم اور متخالف نہیں ہونے دیا بلکہ معاون و مددگار بنا دیا ہے۔ جزاہ اللہ تعالیٰ خیرا لجزا۔

نظریاتی تصوف اور فلسفۂ تصوف پر جہاں مواد کی کثرت ہے وہیں عملی تصوف پر ھُو کا عالم ہے۔ کسی کام کو کر جانا، کسی مہم کو سر کر جانا بلا شبہہ بڑی بات ہے۔ لیکن کسی کام کو کرا دینا اور کسی مہم کو دوسرے سے سر کرا دینا بہت بڑی بات ہے۔

خود پڑھ لینا عالم ہو جانا ہے لیکن دوسروں کو بھی پڑھا دینا استاد بن جانا ہے۔ راہ سلوک کا طئے کرنا ایک مشکل نشانہ ہے تاہم ہزاروں نے یہ نشانہ طئے کیا ہے لیکن ایسے بہت کم ہیں جو اپنی آپ بیتی اور سفر نامہ سلوک کو اس قاعدے سے پیش کر جائیں کہ دوسرا بھی اسی صراط مستقیم پر **صراط الذین انعمت علیھم** پڑھتا ہوا گذر جائے۔ پیش نظر مظہر الاسرار اسی خالی جگہ کو پر کرنے کی ایک خوبصورت کوشش ہے۔

حضرت مخدوم منعم پاکؒ نے پٹنہ میں جب رشد و ہدایت کا آغاز فرمایا تو ایک عجیب انقلاب دنیا نے دیکھا۔ خموشی نعرہ ھاوھو سے گونج اٹھی، سکون طوفان سے بدل گیا اور اصاغر و اکابر سب آپ کے گرد اکٹھے ہو گئے۔ منعمی مشائخ نے عملی تصوف اور راہ سلوک کے طئے کرنے کا ایک ایسا نسخۂ کیمیا پیش کیا کہ شمع جلتے ہی شش جہات سے پروانے نثار ہونے کو ایک دوسرے پر گرنے لگے۔ وہ کون سا طریقہ کار تھا، وہ کون سا نسخۂ کیمیا تھا، وہ کون سا نصاب تھا جس نے سب کا دل موہ لیا اور سب کو منزل مقصود تک پہنچایا، ان سوالات کے جوابات کی ایک اہم کڑی ہے مظہر الاسرار۔

حقیقت محمدیہ کے موضوع پر مختلف مشائخ کی تحریریں محفوظ ہیں اور بعض مستقل رسائل بھی موجود ہیں لیکن مظہرالاسرار میں جس سادگی وسلاست کے ساتھ اس عمیق اور دقیق مسئلہ پر گفتگو کی گئی، وہ حضرت واصل باللہ حکیم شاہ فرحت اللہ کریم چکی کے عدیم المثال شیخ ہونے کی طرف واضح اشارہ کررہی ہے۔ دراصل مظہرالاسرار میں حضرت مصنف قدس سرہ نے اپنے ارفع واعلیٰ منصب ومقام سے بڑی خوبصورتی کے ساتھ نزول فرمایا ہے اور بے انتہا شفقت ومروّت کے ساتھ مبتدی کو راہ منتہیٰ کی جانب لے کر یوں بڑھتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ حافظ کا شعر فضا میں گونج جاتا ہے۔

بہ مئے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود زراہ ورسم منزلہا

حقیقت محمدیہ کا نظریہ وفلسفہ جب تک دیدار ولقا اور براہ راست استفادے کی شکل اختیار نہ کرلے ناقابل فہم وادراک ہے۔ اور یہ دولت حاضر بارگاہ لولاک حضرت مخدوم شاہ محمد منعم پاک کے سلسلے کی بہت اہم خصوصیت ہے۔ آپ جب احادیث کریمہ کا درس دے رہے ہوتے تو روایت سے رویت کا سفر طئے کرادیتے۔ لوگوں کے استفتاء پر بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے جواب لانے کی مہلت طلب فرماتے اور پھر وقت مقررہ پر جواب نبوت کی روایت فرماتے۔ یہی وہ خاصیت تھی جو طالبان صادق کو اس سلسلے کا اثیر بناتی تھی یہاں نظریہ اور نظیر دونوں اکٹھے مل جاتے تھے۔ حضرت سیدنا مخدوم منعم پاک کے خلفاء نے بھی بڑی خوبیوں کے ساتھ فکر وعمل کے اس حسین امتزاج کو

جاری رکھا چنانچہ حضرت شیخ المشائخ مخدوم حسن علی قدس سرہ کے خلیفۂ اعظم حضرت حکیم شاہ فرحت اللہ صاحب مظہر الاسرار بھی بطور تحدیث نعمت فرماتے ہیں۔

''یہ فقیر ۲۰ یا ۲۲ بار جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضوری سے مشرف ہوا پہلی بار مورچھل برداری کا شرف حاصل ہوا، دوسری بار عمامہ باندھنے کا تیسری بار صرف یہ دیکھا کہ تشریف فرما ہیں''۔

مظہر الاسرار کے مطالعہ سے ایک اور حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ صوفیائے کرام عمل پر استقامت کے ساتھ ساتھ فکر دوام کی دولت سے بھی مالا مال ہوتے ہیں۔ ارکان نماز ہوں یا الفاظ کلمہ و درود ان کے گونا گوں معانی و مطالب اسرار و رموز اور حکمتوں پر صوفیائے کرام کے غور و فکر سے عمل کی کاشت اسی طرح لہلہا اٹھتی ہے جس طرح خشک زمین میں لگی ہوئی فصل برسات کی پھواروں سے سرسبز ہو اٹھتی ہے۔

مظہر الاسرار کا مطالعہ اور اس کی ہدایات پر استقامت کے ساتھ عمل یقیناً ایک سالک کے لئے منازل سلوک کے طئے کرنے میں نہ صرف مددگار ہے بلکہ صحبت شیخ کامل کی لذت کا حصول بھی ہے۔ امید ہے کہ اس ترجمے کی اشاعت نہ صرف اسلاف کی خدمات کو تازہ کرے گی بلکہ عملی تصوف کے شیدائیوں کے لئے نعمت غیر مترقبہ بھی ثابت ہوگی۔

✿✿✿

عرض مترجم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ وَ کَرَّمَہٗ بِخِلَافَتِہٖ وَاَجْرٰی تِلْکَ السُّنَّۃَ بَیْنَ اَنْبِیَائِہٖ وَاَوْلِیَائِہٖ وَقَدَّمَ اِحْسَانَہٗ عَلٰی مِلَّتِ بَنِیْ آدَمَ وَاَخَّرَ شُکْرُہٗ عَلٰی نِعْمَاتِہٖ لَا مُؤخِّرَ لِمَا قَدَّمَ وَلَا مُقَدِّمَ لِمَا اَخَّرَ وَلَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمَاتِہٖ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَخَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ وَرَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْنَ سَیِّدِنَا وَمَوْلٰینَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّاتِہٖ اَمَّا بَعْدُ۔

یہ رسالہ جو **مظہرُ الاسرار** کے نام سے موسوم ہے اور جو مروّجہ زبانِ اردو میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوکر اپنے صوری و معنوی حسن کے ساتھ اب آپ کے سامنے جلوہ گر ہے، وہ یقیناً اپنی وجہِ تسمیہ کے عین مطابق اپنے تمامتر متصوّرہ محاسن کا آئینہ یعنی بے شمار اسرار کا مظہر ہے۔ یہ رسالۂ بے نظیر جس کے ترجمے کی توفیق و سعادت الحمدللہ مجھے حاصل ہوئی ہے، حضرتِ حکمت مآب و حقیقت آگاہ مخدوم حسن دوست المعروف بہ حکیم شاہ فرحت اللہ قدس سرہ العزیز کی تصنیف ہے۔ حضرت مصنف قدس سرہ کا شمار سلسلۂ منعمیہ ابوالعلائیہ کے برگزیدہ مشائخ میں ہوتا ہے۔ آپ کی عظمت و بزرگی کا عالم یہ ہے کہ آپ حضرت شیخ المشائخ

مخدوم شاہ حسن علی قدس سرہ کے خلیفۂ ومجاز ہیں جو حضرت مخدوم سید نا منعم پاک قدس سرہ کے اکابر خلفا میں ہیں اور دوسری طرف آپ سر چشمۂ فیضانِ ابوالعلائیہ اعلیٰ حضرت سید شاہ قمرالدین حسین قدس سرہ کے مرشد ومربی و رہنما ہیں۔ کیونکہ یہ انہیں کی ذاتِ بابرکات ہے جس کے زیر سایہ اعلیٰ حضرت نے منازلِ سلوک طے کئے تھے۔ مظہرالاسرار کے علاوہ رسالہ ''در شرحِ آیتِ قطبین'' اور ''اسرارُ الصَّلوٰ ۃ'' کے نام سے دو رسالے اور بھی ہیں جو حضرت مصنف نے سالکانِ طریقت وجوئندگانِ حقیقت کی ہدایت وتربیت کے لئے تحریر فرمائے ہیں۔

پیش خدمت معروضات میں میرا مقصد صرف رسالۂ مذکور کی کچھ نمایاں خصوصیات کو بیان کر دینا ہے۔ حالانکہ محض چند محدود سطروں میں رسالے کے کل موضوعات تو کیا بعض موضوعات پر بھی تبصرہ ممکن نہیں۔ صوفیانہ ادب کے مطالعہ کا یہ پہلو بھی بڑا الم انگیز ہے کہ اِس برصغیر ہندو پاک و بنگلہ دیش کے تناظر میں دیکھا جائے تو تصوف کی کم وبیش ہزار سالہ تاریخ کے روشن ابواب میں مکتوباتی وملفوظاتی ادب کی اہمیت یقیناً اپنی جگہ مسلم ہے اور ان کے ترجمہ وتعارف اور ان کی تحسین و تعبیر پر معیاری کام بھی کئے گئے، لیکن بزرگوں کے تحریر کردہ مختصر رسائل پر خاطر خواہ توجہ نہیں دی گئی۔ میرا مطلب ہے ان کے تراجم اور توضیحات پر کوئی قابلِ قدر کام نہیں ہوا۔ جبکہ ان رسائل کی گراں نمائگی بھی بلا تشکیک وتفریق تسلیم شدہ ہے۔ لیکن اس سلسلے میں جو بھی کام ہوئے سو وہ بھی عہدِ اسلاف میں ہوئے ہیں۔ ہمارا دور اس طرح کے نیک کاموں کی توفیق سے محروم ہے۔

اہل نظر سے یہ حقیقت بھی پوشیدہ نہیں کہ تاریخ وتذکرہ کی کتابوں سے ہمیں

پتہ چلتا ہے کہ فقہ وتصوف کے علاوہ اسلامی علوم کے متعدد موضوعات پر رسائل کی شکل میں بزرگوں کے علمی وروحانی آثار کا ایک بڑا وقیع ذخیرہ تھا، اور وہ ذخیرہ آج سے تقریباً ڈیڑھ دوصدی پہلے تک موجود تھا، لیکن جائے افسوس ہے کہ نامُساعد حالات اور زمانے کے بدلتے ہوئے رجحانات کے سبب اُن رسائل کی ایک بڑی تعداد آج نایاب ہے۔ اگر ان کی نقل وطباعت کی طرف بروقت توجہ دی گئی ہوتی تو وہ ضائع نہ ہوتے اور آج بھی بہت سارے رسائل مدارس اور خانقاہوں میں یا بعض ذاتی کتب خانوں میں محفوظ ہیں لیکن اہل علم کی بے اعتنائی کا شکار ہیں۔ ان میں اکثریت اُن رسائل کی ہے جو کسی خاص موضوع پر تحریر کئے گئے ہیں۔ اُن میں بعض نہایت مختصر چند اوراق پر مشتمل ہیں، اور بعض اوسط ضخامت کی کتاب کے برابر۔ لیکن یہ رسائل اپنے موضوعاتی تنوع اور اختصار وجامعیت کی بنا پر، خصوصاً آج کے تیز رفتار وعجلت پسند دور میں، بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔

مظہرالاسرار کی نوعیت دیگر رسائل سے ذرا مختلف ہے۔ ایک سرسری جائزے سے بھی یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ یہ رسالہ حضرت مخدوم حسن دوست قدس سرہ نے اپنے فرزند عزیز حضرت حکیم شاہ مظہر حسین قدس سرہ اور دیگر فرزندان ومریدانِ خاص (رحمہم اللہ تعالیٰ) کے ارشاد وتعلیم کی غرض سے تحریر فرمایا تھا۔ اِس لحاظ سے اسے حضرت مصنف علیہ الرحمہ کا وصیّت نامہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ البتہ اِس وصیّت نامے کا تعلق کسی جائداد کے حصے بخرے سے نہیں ہے۔ یوں بھی صوفیۂ کرام کے پاس کوئی اتنی بڑی جاگیر تو ہوتی نہیں کہ زندگی کے آخری ایام میں وہ مستقل تشویش واضطراب کا سبب بن جائے۔ دراصل ہمارے

بزرگانِ دین کے یہاں اِس طرح کی بہ طرزِ رسالہ وصیّت نگاری بہت پہلے سے رائج رہی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ وہ نفوسِ قدسیہ اس دارِ فانی سے کوچ کرنے سے پہلے اپنے فرزندوں اور مریدوں تک، بلکہ خلفائے مابعد کی نسلوں تک، اُس روحانی جائداد کو منتقل کرنا چاہتے ہیں جو کبھی روبہ زوال نہیں ہوتی اور جو نسلاً بعد نسلٍ تقسیم ہونے کے بعد بھی گھٹتی نہیں بلکہ فزوں تر اور وسیع تر ہوتی جاتی ہے اور جن لوگوں تک منتقل ہوتی ہے اُنہیں فلاحِ دارین اور بقائے دوام سے ہمکنار کرتی جاتی ہے۔ لہٰذا یہاں وصیّت سے میری مراد وہ معنی نہیں جو مقبولِ عام ہے۔ پیران و مشائخ کے وہ خطوط جو انہوں نے اپنے جانشین و مقربین کے نام تحریر فرمائے ہیں وہ بھی اِسی وصیت کے زُمرے میں آتے ہیں۔

بالعموم رسائل کی تصنیف و تالیف کے پیچھے رسالہ نگار کا مقصد یا تو کسی سائل کے سوال کا جواب دینا ہوتا ہے یا خود اپنی صوابدید کے مطابق کسی پیچیدہ اور متنازع مسئلے سے متعلق اپنی تحقیق سے لوگوں کو مُطّلع کرنا ہوتا ہے۔ لیکن اِس اعتبار سے مظہرالاسرار کی حیثیت بالکل جداگانہ ہے۔ مظہرالاسرار نہ تو کسی اِستفتا کا جواب ہے اور نہ کسی سوالنامے کا حل۔ اور نہ ہی اِس کا دائرۂ کار کسی ایک مسئلے کی تحقیق تک محدود ہے۔ اور یہ جو میں نے استعارتاً اِسے وصیت نامہ کہہ دیا ہے تو اس وجہ سے اغلب ہے کہ قارئین کو یہ مغالطہ ہو جائے کہ یہ رسالہ محض اخلاقی پند و نصیحت کا مجموعہ ہے اس لئے یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ بے شک اِس تصنیف کے مقاصدِ حسنہ میں ایک مقصد اخلاق و عادات کی تہذیب بھی ہے اور ہر ورق اور ہر سطر میں حضرت مصنف کا پیرایۂ بیان بھی بلاشبہہ نصیحت آمیز ہے

تاہم اِسے صرف اخلاقی اصول وتعلیمات کا مجموعہ نہیں کہہ سکتے۔

حقیقتِ حال یہ ہے کہ مظہرالاسرار ایک ایسا عجالۂ نافعہ ہے جو اختصار کے باوجود طریقت کے اصول و آداب پر مشتمل ایک مکمل ہدایت نامہ ہے جس میں حضرت مصنف نے اپنے مشائخِ کرام کی لازوال تعلیمات اور خود اپنی باطنی فتوحات اور روحانی تجربات کا محض چند اوراق میں ایک جامع خلاصہ درج کردیا ہے اور یہ جامع خلاصہ جانِ ایمان ہے، روحِ اسلام ہے، اور عینِ احسان ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس رسالے میں وہ سارے علوم و اعمال اور اشغال و احوال درج کردیئے گئے ہیں جو رجوع الی اللہ کے لئے ضروری ہیں اور جنہیں اپنا لینے کے بعد ظاہری و باطنی کمالات کے سارے دروازے کھل جاتے ہیں۔

مظہرالاسرار میں صاحبِ تصنیف نے وہی اُسلوب اختیار فرمایا ہے جو عموماً پیرانِ طریقت کے اُن مکتوبات میں نظر آتا ہے جو شفقت آمیز تخاطُب کے ساتھ سادہ و سلیس زبان میں تحریر کئے گئے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ یہاں روئے سخن کسی ایک فرد کی طرف نہیں بلکہ یہاں ان کے مخاطبین میں اُن کے فرزندان اور بالخصوص ان کے فرزندِ ارجمند حکیم شاہ مظہر حسین اور تمام مخلص طالبین اور راسخ العقیدہ مریدین ہیں۔

مظہرالاسرار میں رسالہ نگار کا اندازِ بیان بالکل برجستہ و بے ساختہ اور مبالغہ و تصنع سے پاک ہے۔ حضرت مصنف علیہ الرحمہ کی نثر نگاری کی سب سے اہم خصوصیت ہے راست گوئی اور صاف گوئی۔ نہ پُرشکوہ الفاظ ہیں اور نہ مرصّع و مسجع عبارت آرائی، لیکن ہر عبارت رواں دواں اور صاف وشفاف ہے۔ البتہ

بعض مباحث کی گہرائیوں اور باریکیوں کے باعث کہیں کہیں پر فہم وفکر کو کاوش کرنی پڑتی ہے۔حالانکہ اگر قاری تصوف کے متداول اسلوب اور زبان سے کسی قدر واقف ہو تو ان مقامات پر بھی سہولتِ فہم موجود ہے۔اظہار کی سادگی و نرمی، اور دلنشینی واثر آفرینی کے علاوہ دوسری قابلِ ذکر خصوصیت یہ ہے کہ ہر موضوعِ سخن کو اعتدال واختصار کے محتاط پیمانے کے مطابق برتا گیا ہے اس لئے بیشتر مقامات پر مترجم کے لئے لازمی تھا کہ ہر سطر کو بغور پڑھ کر پہلے مضمر مفاہیم کی دریافت سے گزرے اس کے بعد مکمل مفہوم کی ترجمانی کا فریضہ انجام دے۔ لیکن اعتدال واختصار کے اسی پیمانے نے رسالے کی زبان کو زیادہ پُرمغز اور معنی خیز بنادیا ہے۔

جن مہتم بالشان موضوعات پر رسالے میں اظہارِ خیال کیا گیا ہے ان میں ایک مسئلۂ وحدۃُ الوجود بھی ہے جو بڑے دقیق اور اختلافی امورِ فکر سے عبارت ہے۔حالانکہ اختلاف حقیقت الامر میں نہیں ہے۔اختلافات جو بھی ہیں وہ مختلف احوال و کیفیات کے تحت ہونے والے مکاشفات اور مشاہدات کی تاویل میں واقع ہوئے ہیں لیکن بروجہِ انکار جو اعتراضات وحدۃُ الوجود پر ہوئے ہیں اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ وحدۃ الوجود کا معاملہ سربہ سر باطنی اور وجدانی ہے اور کشف وحال کے معاملات کا دَرک منطقی استدلال سے یا سائنسی آلات کے ذریعہ حاصل نہیں ہوسکتا۔نمک کے ذائقے سے کس کی زبان آشنا نہیں ہے لیکن ''ہر کہ درکانِ نمک رفت'' پر عمل کرتے ہوئے ''نمک شد'' کی کیفیات سے گزر کر نمک کی معرفت کا حق ادا کرنا اور بات ہے۔ٹھیک اِسی طرح عارفانہ

اشعار سے وحدت کی ماہیت کا اندازہ لگانا اور بات ہے، لیکن اُن احوال سے مکیف ہو کر سراپا توحید ہو جانا محض اندازہ نہیں مطلق آ گہی ہے۔ چونکہ زیر بحث رسالہ میں یہ گفتگو حقیقتِ محمدیہ کے حوالے سے ہوئی ہے لہٰذا چند آسان لفظوں میں اُس کا تعارف پیش کرنا ضروری ہوگا۔

صوفیۂ کرام کی اصطلاح میں 'وجود' سے مراد واجبُ الوجود یعنی صرف حق تعالیٰ کا وجود ہوتا ہے۔ یعنی وہ ذاتِ اقدس جو غیبُ الغیب ہے، وراءُالوراء ہے، ممنوعُ التَّصور ہے۔ لہٰذا ہر تشبیہہ و تمثیل سے بالاتر ہے۔ اور اسی کو مرتبۂ احدیّت کہتے ہیں۔ چنانچہ اس مرتبۂ احدیت میں وہ تمام اعتبارات و امتیازات سے بالکل لاتعلق ہے۔ حتیٰ کہ اُس پر اسماء وصفات کا بھی اطلاق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مرتبۂ احدیت کی شان یہ ہے کہ كَانَ اللهُ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهٗ شَيْئًا یعنی وہ اس طرح ہے کہ کوئی شئے اس کے ساتھ نہیں ہے اور لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ یعنی اس کے جیسی کوئی شئے نہیں ہے۔ یہاں نہ اعتبارِ ذہنی ہے اور نہ اعتبارِ خارجی۔ اور اسی کو مرتبۂ لاتعین اور مرتبۂ لابشرطِ شئی بھی کہتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ شانِ احدیت کسی بھی اطلاق میں مقید نہیں۔ اب جبکہ کوئی شئے اس کے جیسی نہیں اور کوئی شئے اُس کے ساتھ نہیں تو یہ کون جان سکتا ہے کہ حجابِ احدیت میں وہ کیسا ہے اور کیا ہے۔ لیکن جب خود اُس نے چاہا کہ اُسے پہچانا جائے تو وہ مرتبۂ لاتعین سے پہلی بار جس تعین میں ظاہر ہوا حضراتِ صوفیہ (قدس اللہ اسرارھم) اُسے ''حقیقتِ محمدیہ'' سے تعبیر فرماتے ہیں۔ اور اسی تعین اول کو کبھی تنزلِ اوّل تو کبھی تجلیٔ اوّل اور کبھی علمِ مطلق یا عقلِ کل بھی کہا جاتا ہے۔ اب اس پہلے تعین کے بعد

دیگر پانچ تعینات میں اسماءِ الٰہی کا ظہور ہوا جن میں سب سے اول مرتبۂ واحدیت ہے جسے تعینِ ثانی اور ظہورِ ثانی بھی کہتے ہیں۔ پھر اسی تعین ثانی کے اجمال کے طور پر حقیقتِ آدم یا حقیقتِ انسانیہ کی تشکیل عمل میں آئی جو دیگر تین مراتبِ تعین یعنی عالمِ ارواح، عالمِ مثال اور عالمِ اجسام کی تخلیق کا باعث ہوا۔

اصطلاحات سے قطعِ نظر، عام فہم الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ پہلی چیز جو حق تعالیٰ کی تجلی کے سبب ظہور میں آئی وہ نورِ محمدی ﷺ ہے اور اسی کو حقیقتِ محمدیہ کہتے ہیں۔ چنانچہ حقیقتِ محمدیہ تمام حقائق تکوینی میں، خواہ اُن کا تعلق عالمِ خلق سے ہو یا عالمِ امر سے، سب سے اوّل اور سب پر مقدّم ہے۔ اُس کے بعد یہ کل کائنات اور افلاک سے لے کر ذرّات تک سارے موجودات، اُسی نورِ اولین کے انعکاس کی کثرت آرائی اور اُس ایک حقیقت کی مجازی شکلیں ہیں۔ پھر ان میں بھی جو ظاہراً و باطناً سب سے افضل واکمل اور واضح و روشن صورت ہے وہ انسانی وجود کی ہے جو اپنی ترکیبِ عنصری کے ساتھ حضرت ابوالبشر آدم علیہ السلام کی شکل میں ظہور پذیر ہوئی۔

صاحبِ مظہرالاسرار نے اِنہیں حقیقتوں کو نہایت سنجیدہ لیکن دلنشیں پیرائے میں بیان فرمایا ہے۔ لیکن ان حقائق کا اظہار نظری بحث کے طور پر نہیں بلکہ مناہجِ سلوک کے بیان میں بہ اندازِ تذکیر صراحتاً یا کنایتاً کیا گیا ہے۔ مثلاً کلمۂ طیبہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

''کلمۂ طیبہ تین فقروں سے مُرکّب ہے، اوّل غیر کی نفی، دوئم ذاتِ حق کا اِثبات اور سوئم محمدیّت اور رسالت کا اثبات۔''

غور طلب ہے کہ یہاں یہ نہیں کہا جا رہا ہے کہ صرف رسالت کا اثبات کرو بلکہ کہا یہ جا رہا ہے کہ سالک کو چاہیئے کہ پہلے مرتبۂ محمدیت کا اعتراف کرے پھر رسالت کا اثبات کرے اور ذکرِ نفی و اثبات میں نفی اور اثبات کا مفہوم اس طرح سمجھاتے ہیں کہ

''یہ جان لو اور آگاہ رہو کہ غیر کی نفی کرتے وقت تمام چیزوں کی نفی کے ساتھ اپنی نفی کرنا بھی لازم ہے اور ذاتِ حق تعالیٰ کا اثبات صرف مرتبۂ محمدیہ کے اثبات کے طور پر کرنا چاہیئے۔''

اب یہاں پر ہر اُس قاری کو جو ذاتِ حق کی معرفت کا طالب ہے ایک ذرا ٹھہر کر سوچنا ہوگا کہ آخر مصنّفِ مظہرالاسرار اثبات کو اس شرط کے ساتھ مقیّد کیوں کر رہے ہیں کہ ذاتِ حق کا اثبات صرف مرتبۂ محمدیہ کے اثبات کے طور پر کرنا چاہیئے؟ انہوں نے آئندہ صفحات میں متعدد تاویلات کے ذریعہ اس تاکید کی بوجہِ احسن وضاحت کی ہے۔ ملاحظہ کریں بالکل صاف اور دوٹوک الفاظ میں اُن کا یہ قولِ فیصل جس میں کہیں کوئی ابہام نہیں ہے اور جو بلاشبہ ہر تشکیک و تردُّد کے ازالہ کے لئے کافی ہے۔

''لہٰذا تحقیق سے ثابت ہوگیا کہ روح کے بغیر جسم کا برقرار رہنا محال ہے۔ اور بغیر جسم کے روح کا قابل انکشاف ہونا محال ہے۔ یعنی اس تعلقِ باہمی کے بغیر اور مرتبۂ محمدیت کا اثبات کئے بغیر اِس جہانِ نمود یعنی عالمِ ملک میں اُس کے (حق تعالیٰ کے) وجود کو دریافت کر پانا ممکن نہیں۔''

اب میں قارئین کی توجہ ایک ایسے مسئلے کی طرف مبذول کرنا چاہتا ہوں جس کا تعلق سلوک کے ابتدائی مرحلے سے ہے۔ چونکہ طریقت کا بنیادی مقصد قربِ الٰہی کا حصول ہے لہٰذا اس کے لئے پہلے تعلق باللہ کا ہونا ضروری ہے۔ لیکن سالک جس ذاتِ پاک سے وابستہ ہونا چاہتا ہے وہ فہم و ادراک سے بہت دور ہے۔ مراد یہ ہے کہ سالک نہ تو بصارت کے ذریعہ اسے جان سکتا ہے اور نہ سماعت کے ذریعہ اُسے پہچان سکتا ہے۔ نہ منطق و ریاضی کی مشّاقی اُس سے روشناس کرا سکتی ہے اور نہ تخیل کی بلند پروازی اُس کے حریمِ قدس تک پہنچا سکتی ہے۔ مگر یہ صورتحال اُن لوگوں کے لئے پریشان کُن ہے جنہیں کسی خضرِ راہ کی رہبری میسر نہیں ہے۔ عارف باللہ حضرت حکیم شاہ فرحت اللہ قدس سرہ العزیز نے اِسی رسالے میں طریقۂ ابراہیمی کے عنوان سے اِس ناشناسی اور نارسائی کے مسئلے کا نہایت مفید و آسان حل تجویز فرمایا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تعلق باللہ کے لئے تین شرطوں پر عمل درآمد ضروری ہے۔ شرطِ اوّل ہے اللہ تعالیٰ کے حاضر و ناظر ہونے یعنی ہر جگہ اور ہر وقت موجود ہونے کا بالیقین قائل ہونا۔ شرطِ دوئم ہے ماسویٰ سے بالکل منقطع ہو جانا اور تیسری شرط ہے مکمل توجہ الی اللہ اور یہ سہ نکاتی طریقۂ کار ایسا آزمودہ ہے کہ یہ اہلِ طریقت کی نظر میں اصلِ اصول کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کی اِصالت وحقّانیت پر حدیثِ احسان کی وہ مشہور عبارت ناطق ہے:

قَالَ اَنْ تَعْبُدَ اللهَ کَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ یَرَاكَ۔

(فرمایا کہ اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تمہیں دیکھتا ہے۔)

لٰہذا مریدین وطالبین کو چاہئے کہ درجِ ذیل اقتباسات کے ہر ایک لفظ کو غائرنظر سے پڑھ کران کے معانی اچھی طرح ذہن نشیں کرلیں۔

(۱) ''فرزندِ من! طریقۂ ابراہیمی یہ ہے کہ جس طرح حضرت ابراہیم خلیل اللہ (علیٰ نبیّنا و علیه الصّلوٰةُ والسلام) آیتِ لا اُحِبُّ الآفلین پر پوری ثابت قدمی سے عمل پیرا ہو گئے، تم بھی اُنہیں کی طرح ہر ماسویٰ کو عارضی اور ناپائدار گردان کر حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور غور کرو کہ آیتِ کریمہ میں لفظ حُب کیوں آیا ہے۔ یعنی قلب کو ناپائدار چیزوں کی محبت سے پاک وصاف کر کے اور ہر شئے سے قطع نظر کرتے ہوئے اپنے دل ونگاہ کا رُخ اسی حق تعالیٰ کی جانب پھیر لو جو ابدالآباد تک باقی رہنے والا اور ارض وسماوات کا خالق ہے۔''

(۲) ''فرزندمن! بالکل اسی طرح جیسے کسی شئے کو اپنے سامنے موجود سمجھ کر اس سے رُوبرو ہوتے یا اس کی جانب متوجہ ہوتے ہیں، تم یقینِ کامل کے ساتھ حق تعالیٰ کو یکتا وجاوداں اور فی الواقع موجود جان کر اس کی جانب متوجہ ہو جاؤ اور اپنے تمام ارادوں سے دستبردار ہو جاؤ اور یہ احتیاط رہے کہ صرف مکمل توجہ الیٰ اللہ سے اس کام کا آغاز کرنا ہے لٰہذا اس میں ذکر وفکر اور شغل واکتساب کے ارادے کا بھی کوئی دخل نہ ہو کیونکہ یہ بھی غیر حق ہے۔''

اب قُرب ووصول کی منزل تک لے جانے والی شاہراہ کا اِس سے زیادہ صاف سُتھرا، کارآمد اور معتبر کوئی اور نقشہ نہیں ہوسکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی اُسے

ڈھونڈنا ہی نہ چاہے، یا بہ الفاظِ دیگر، خود کو کھونا ہی نہ چاہے تو وہ کیا پائے گا۔ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ج فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۔ تو اس نقشے کو لوحِ دل پر نقش کر کے حقیقت کا متلاشی جب اپنے سفر کا آغاز کرے گا تو انشاءاللہ تعالیٰ وہ تمام مرحلوں سے بے خطر گزرتا چلا جائے گا۔ کیونکہ ایک بہتر آغاز نصف کامیابی ہے اور جو سچی طلب اور خلوصِ نیت کے ساتھ حق تعالیٰ کی جانب قدم بڑھاتا ہے اُسے بہت جلد اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْن کی صداقت کا مشاہدہ ہو جاتا ہے۔ اسی طریقۂ ابراہیمی کے ذکر میں ایک اور دعوتِ فکر ہے جو ہر سالک سے ہوشمندی اور بلند ہمتی کا مطالبہ کرتی ہے۔ مذکورہ سطور میں صاحبِ رسالہ نے جہاں توجہ الی اللہ یعنی اللہ کی طرف متوجہ اور مائل ہونے کی تعلیم دی وہیں مریدین کو بڑی خوش اسلوبی سے شرکِ خفی کی پہچان بھی کرا دی ہے۔ مزید وضاحت کے لئے آگے فرماتے ہیں کہ:

> ''اے سالک! یقین جانو کہ جب کوئی شخص یہ ارادہ کرتا ہے کہ مجھے حق تعالیٰ کی جانب متوجہ ہونا ہے، یا میں فلاں ذکر اور فلاں شغل کروں گا، یا نماز پڑھوں گا، تو اپنی خودی کے اثبات کے سبب اُس کا ارادہ سرآغاز ہی شغل و ذکر کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور اِس طرح وہ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِين سے دور ہو جاتا ہے کیونکہ اُس کے ارادے نے شغل و ذکر کو ذاتِ حق کے ساتھ شریک کر دیا اور وہ حق سے جدا ہو گیا۔''

واقعی یہ بہت گہرا اور باریک رمز ہے اور اس قسم کے رموز سے وہی لوگ آشنا ہوتے ہیں جو نفسانی قیود کے ظلمتکدوں سے باہر نکل آتے ہیں اور وادیٔ الست کی لامحدود سیر گاہ میں ''ہر لحظہ نیا طور نئی برقِ تجلی'' کے مشاہدوں میں محو رہتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ مظہرُ الاسرار اس طرح کے بے شمار و بیش بہا رموز و نکات کا مظہر ہے جن میں سے محض معدودے چند کی نشاندہی میں نے کی ہے اور اس مظہر کا یہ بھی ایک نشانِ امتیاز ہے کہ حضرت مصنف نے اِن صفحات میں شرعی احکام کی حکمتیں اور علم طریقت کے اسرار بیان فرمانے میں بڑی فراخدلی سے کام لیا ہے۔ حالانکہ خود ایک جگہ فرماتے ہیں کہ

''ہر چند کہ اِن باتوں کو پوشیدہ رکھنا ضروری تھا۔''

مجھ سے پوچھئے تو ان سخنہائے ناگفتنی کے اظہار کی واحد وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے عزیزوں کو اپنے روحانی تجربات اور اپنے پیران و مشائخ کے افادات سے آگاہ اور فیضیاب کرنا چاہتے ہیں اور وہ بھی صرف اس لئے کہ وہ اُنہیں اپنے ہی جیسا کامل و اکمل بنانا چاہتے ہیں۔ کیونکہ شروع سے آخر تک رسالے کا اسلوبِ نگارش اور انتخابِ موضوعات اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اس تصنیف کے پیچھے مصنف کا مقصد نہ جلبِ منفعت ہے نہ دنیا طلبی اور نہ تبحر علمی کی نمائش ہے اور نہ ہی بحث و مباحثہ یا ردو اعتراض کی محاذ آرائی۔

بنیادی طور پر یہ رسالہ عملی تصوف کا ہدایت نامہ یا ہینڈ بک ہے اور رموز و اسرار کی باتیں بھی دراصل اشغال و اذکار اور مراقبات و مشاہدات کے ضمن میں برسبیلِ تذکرہ آ گئی ہیں۔ لیکن یہاں بھی اصل مقصد انہیں طشت از بام کرنا نہیں

بلکہ اپنے مریدانِ سراپا اخلاص میں گرمیٔ شوق اور وسعتِ نظر پیدا کرنا اور اُنہیں علمِ ذوق و وجدان سے آراستہ کرنا ہے۔

مظہر الاسرار میں مذکور تمام موضوعات کے تعارف اور تشریح کے لئے دیباچہٗ مترجم میں گنجائش نہیں۔ لہٰذا اِطالتِ مزید سے گریز کرتے ہوئے رسالہٗ ھذا کے مشمولات کا ایک اجمالی خاکہ پیش کر کے میں اِس گفتگو کو سمیٹ دینا چاہتا ہوں۔ امید کرتا ہوں کہ مظہر الاسرار کے مضامین کی درجِ ذیل تلخیص سے قارئین کو رسالے کی اہمیت اور افادیت کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا۔

رسالے کا آغاز بنیادی ارکان اور شرعی امور سے ہوتا ہے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ تمام سلاسل کے خواجگان و مشائخ کا اِس امر پر اجماع ہے کہ احکامِ شریعت کی پابندی کے بغیر جادۂ سلوک طے کرنا تو دور اُس پر قائم رہنا بھی ممکن نہیں۔ چنانچہ رسالے کے ابتدائی صفحات میں ایمان و اسلام کے مفہوم سے آگاہ کیا گیا ہے۔ ظاہری و باطنی طہارت اور پنجگانہ فرائض و سنن و نوافل اور دیگر احکام کی پابندی اور منکرات و ممنوعاتِ شرع سے اجتناب کی تاکید کی گئی ہے۔ مزید یہ کہ نیت کی پاکیزگی اور عقائد کی پختگی پر زور دیا گیا ہے۔ اخلاقی برائیوں سے دور رہنے اور اللہ کے بندوں کے ساتھ معاملات درست رکھنے کا اور اہل و عیال و متعلقین کے حقوق ادا کرنے کا بھی حکم کیا گیا ہے۔ اس کے بعد اگلے صفحات میں حضرت مصنف (علیہ الرحمۃ والرضوان) ہمیں سلوک کے ابتدائی مراحل سے روشناس کراتے ہیں۔ یہاں طریقۂ توجہ اور رابطہ کی حقیقت بیان کی گئی ہے، اقسامِ نسبت میں ہر نسبت کی مخصوص علامتوں کی پہچان بتائی گئی ہے اور

اسی کے ساتھ مراقبہ اور ذکرِ اسمِ ذات کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس کے بعد مذکورہ طریقوں سے متعلق دیگر اعمال و اشغال مثلاً شغل معیّت، شغل ربُّ الارباب اور شغلِ سرُّ السّر کو ضروری انتباہات کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور ان میں شغلِ سرُّ السّر پر نسبتاً زیادہ مفصّل بحث کی گئی ہے۔ کیونکہ خود شغلِ سرُّ السّر مختلف اصول و شرائط اور اذکار و اکتسابات پر مشتمل ہے اس لئے یہاں ان میں سے ہر ایک طریقۂ کار پر روشنی ڈالی گئی ہے اور انہیں تفصیلات میں خطرات کی مختلف قسموں اور ان کی شناخت کا ذکر آیا ہے۔ پھر علی الترتیب طریقۂ ابراہیمی، طریقۂ موسوی اور طریقۂ محمدی کو بیان کیا گیا ہے۔

طریقۂ محمدی سے اُن اذکار و اشغال کا تعارف شروع ہوتا ہے جن کی تعلیم حضرت مصنف علیہ الرحمہ کو آنحضور سرورِ کونین علیہ الصلوٰۃ والسلام سے براہِ راست حاصل ہوئی۔ تعلیم و ارشاد کے ان گرانمایہ جواہرات میں شغلِ آئینہ، شغلِ معراج، طریقۂ مرتضوی، نمازِ عشق، ذکرِ کنزِ مخفی، طریقۂ انا مدینۃُ العلم وغیرہ کے علاوہ ایصالِ درود کے طریقے شامل ہیں۔ نیز درود پاک کے الفاظ جیسے صلِّ علیٰ، محمّد، اُمّی اور آدم کی علیحدہ علیحدہ اور حرف بہ حرف ایسی نادر و معنی خیز تعبیریں دریافت کی گئی ہیں جو ذات و صفات، وحدت و کثرت، غیبت و شہود، ظہور و تعیّن، ھُویّت و لاتعیُّن جیسے کلیدی تصورات اور ان کے عارفانہ اسرار کا اعدادِ حروف کی روشنی میں انکشاف کرتی اور جملہ مراتبِ وجود میں مرتبۂ محمدیت کو ثابت کرتی ہیں اور سب سے آخر میں وہ رموز و نکات ہیں جن کا تعلق احکامِ شرعی کے حقائق و معانی سے ہے اور بقولِ حضرت مصنف قدس سرہٗ یہ بھی حضور

رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے لطف وعنایت سے ان کو بطورِ خاص عطا ہوئے ہیں۔اب پایانِ سخن سے پہلے چند باتیں زیرِنظر ترجمہ سے متعلق۔رسالۂ مظہرالاسرار کا ترجمہ کرتے وقت خانقاہِ منعمیہ کے مخطوطے کے دو مختلف نسخے میرے سامنے موجود تھے جو محبّی جناب پروفیسر سید احمد بدر صاحب نے مجھے فراہم کئے تھے۔ پہلا نسخہ حضرت مولانا سید شاہ فدا حسین صاحب سرکارِ پٹنہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ) کا تحریر کردہ تھا اور دوسرے نسخے کے ناقل کون بزرگ ہیں یہ مجھے نہیں معلوم۔ اللہ تعالیٰ انہیں بھی رحمتِ بے پایاں اور اجرِ فراواں سے نوازے۔ دونوں نسخوں کو از اول تا آخر پڑھنے پھر دونوں کی عبارتوں کا تقابل کرنے کے بعد اس خاکسار نے ترجمے کا کام شروع کیا۔ چونکہ پہلے نسخے کی تحریر زیادہ صاف تھی اس لئے پورا ترجمہ نسخۂ اول کی قرأت پر مشتمل ہے۔صرف، تین مقامات پر جہاں نسخۂ اول کی عبارت مجھے بے ربط یا گنجلک نظر آئی ہے وہاں میں نے نسخۂ ثانی کی عبارت کو زیادہ واضح اور قرینِ فہم سمجھتے ہوئے ترجمے میں اس کو ترجیح دی ہے اور بعض جگہوں پر اختلافِ متن کی صورت میں، اگرچہ ان اختلافات میں کوئی قابلِ غور معنوی تباین نہیں ہے پھر بھی، میں نے دونوں کی عبارتوں کے مفہوم کو قالبِ اردو میں اِس قرینے سے منتقل کیا ہے کہ دونوں نسخوں کی مکمل ترجمانی ہو جائے۔

حتی الامکان یہی کوشش کی گئی ہے کہ ترجمہ میں متنِ مصنف کی مکمل پیروی کی جائے تا کہ ترجمہ لفظاً ومعناً مطابقِ اصل ہو۔ پھر بھی جہاں جہاں پر جملوں کی متنی ساخت کو برقرار رکھتے ہوئے ترجمہ کرنا ممکن نہ تھا وہاں نفسِ مضمون

کی رعایت اور سیاق وسباق کے تقاضوں کوملحوظ رکھتے ہوئے جملوں کی ترکیب یا ترتیب میں بقدرِ ضرورت تبدیلی کی گئی ہے۔لیکن اس حزم و احتیاط کے ساتھ کہ مفہوم میں کوئی ردّوبدل واقع نہ ہو۔ علاوہ ازیں الفاظ وتراکیب کی بندش اور پیشکش اس اہتمام کے ساتھ کی گئی ہے کہ ترجمے میں وہی بے ساختگی اور روانی اور نثری ربط وآہنگ موجود رہے جو رسالے کے فارسی متن میں ہے۔ میں اپنی ان کاوشوں میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں اس کے متعلق میں خود کچھ نہیں کہہ سکتا ہوں۔اِس سلسلے میں اظہارِ خیال کرنے کا حق صرف اہل نظر قارئین کو حاصل ہے۔

میں تہہ دل سے ممنون ہوں حضرتِ علامہ سید شمیم الدین احمد منعمی (زیب سجادہ خانقاہِ منعمیہ قمریہ، میتن گھاٹ، پٹنہ) کا جنہوں نے اِس گنجینۂ معارف یعنی رسالۂ مظہرالاسرار کوزبانِ اردو میں منتقل کرنے کا کام مجھے تفویض فرمایا۔اس طرح انہوں نے مجھے خود بھی اِس بیش بہا خزانے سے استفادہ کرنے کا اور سلسلۂ عالیہ منعمیہ ابوالعلائیہ کے مشائخِ کرام کی خدمات میں بہ صورتِ ترجمہ نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کا،موقع فراہم کردیا۔ چنانچہ یہ ترجمہ حضرت صاحبِ سجّادہ مدظلہ العالی کے ارشادِ گرامی کی تعمیل ہے۔اگرچہ اِس تعمیل کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی مجھ میں قطعی طور پر کوئی اہلیت نہیں۔ کیونکہ صوفیۂ کرام کی تصانیف کے ترجمہ و تشریح کا حق صرف اسی شخص کو حاصل ہے اور وہی اس تعمیل فرمان کا حق ادا کرسکتا ہے جو علومِ شریعت میں کامل ہو اور جسے حقائقِ طریقت کا عین الیقین بھی حاصل ہو اور جو اُن اولوالعزم مردانِ باصفا کی قولاً وعملاً اور ظاہراً اور باطناً اطاعت وتقلید میں شب وروز لگا رہتا ہو۔ظاہر ہے کہ اِس حقیر وکمترین میں ان میں سے کوئی ایک

خصوصیت بھی موجودنہیں۔لیکن سبحان اللہ بزرگوں کے روحانی تصرفات میں ایک کمال یہ بھی ہے کہ وہ مجھ جیسے نااہلوں سے بھی وہ کام لیتے ہیں جس کام کی صلاحیت سے وہ بالکل خالی اور بے بہرہ ہوتے ہیں۔

پروفیسر سید احمد بدرؔ صاحب کا بھی شکرگزار ہوں کہ انہوں نے مظہرالاسرار سے مجھے متعارف کیا اور اس کے اردو ترجمے کے لئے متحرک اور مستعد کیا اور ہر قدم پر میری حوصلہ افزائی کی،اور وقتاً فوقتاً اپنے مفید مشوروں سے نوازتے رہے۔سچ تو یہ ہے کہ اتنی ساری نوازشوں کے عوض میں صرف ایک لفظ 'شکریہ' کہہ دینا اظہارِ تشکر کے لئے ناکافی ہے۔ **فجزاہُ اللہُ خیرَ الجزاء**۔
وَصَلَّی اللہُ عَلیٰ خَیرِ خَلْقِہٖ مُحمدٍ وآلہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمعِین۔

بندۂ کمترین و نیاز مجسم
محمد بدر عالم
نگاشتہ ۱۹ شوال ۱۴۳۸ ھجری، بروز جمعہ
مطابق ۱۴ جولائی ۲۰۱۷ عیسوی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مظہر الاسرار
(اردو ترجمہ)

نَحمدہٗ و نَستعینہٗ و نُصلِّی علیٰ محمدٍ و آلہٖ واھل بیتہٖ و اصحابہ و بارك وسلّم الاوّل ھو اللہ و الآخر ھو اللہ و الظاھر ھو اللہ و الباطن ھو اللہ قبل کلّ شیئٍ ھو اللہ و بعد کلّ شیئٍ ھو اللہ التوفیق والرّشادُ من اللہ تعالیٰ شانہٗ وجلَّ برھانہٗ۔ [1]

(اللہ اوّل، اللہ آخر، اللہ ظاہر، اللہ باطن، ہر شے سے پہلے، ہر شے کے بعد بھی اللہ، اور توفیق ورہنمائی اسی کی جانب سے ہوتی ہے، جس کی شان بہت بلند اور جس کی دلیل نہایت روشن ہے)

بعدازیں، یہ نسخہ مخلص وفرماں بردار طالبوں اور سچی اور پختہ عقیدت رکھنے والے، مریدوں اور فرزندوں کے لئے لکھ رہا ہوں تاکہ وہ اس کے عین مطابق عمل کریں، اور طریقہ سلوک کی تکمیل کے لئے صراط مستقیم یعنی طریقہ محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی راہ اختیار کریں اور اس پر استقامت حاصل کریں اور یہی عین اسلام اور عین ایمان ہے۔اور سلامتی ہو اس پر جس نے ہدایت کی راہ پکڑی اور دین حق کو اپنالیا۔

یہ نسخہ جو بالخصوص میرے بیٹے، میری آنکھوں کی ٹھنڈک، میری نیک اولاد مظہر حسین کے لئے ہے اور ان کے علاوہ دوسرے بیٹوں (مریدوں) کے لئے بھی، اللہ ان سب کو لمبی عمر سے نوازے، نور ہدایت کی حمایت سے بہرہ ور فرمائے، اور ان پر ان کے عیوب ظاہر کردے، اور سلامتیِ ایمان کے ساتھ ان کا

خاتمہ کرے، اور حضرت محمد اور ان کی آل واہل بیت واصحاب (ان سب پر درود وسلام) کے طفیل ان میں اپنی محبت اور لگن اور بڑھادے کہ انہی کی خاطر اسے تحریر میں لانا پڑا۔

لہٰذا اب یہ معلوم ہو کہ سب سے پہلے اپنے ایمان کی اور اس کے درست ہونے کی تحقیق کر کے دین محمدی[2] علیہ الصلوٰۃ والسلام یعنی اسلام پر عمل پیرا ہونا لازم ہے تا کہ راہ سلوک کے جملہ منازل ان ہی سرور کائنات (درود وسلام ہو ان پر اور ان کی آل واصحاب پر) کی شریعت پر چلتے ہوئے طے کیے جا سکیں۔

ایمان واسلام

اے بیٹے! ایمان کا مطلب ہے امان پانا یا پناہ گزیں ہونا، ایسے خالص اور کامل یقین کے ساتھ کہ جس میں کسی بھی طرح کا کوئی شک اور گمان راہ نہ پا سکے۔ صرف اسی ایک اور لاشریک خدا کی جانب دل سے متوجہ رہنا اور دونوں عالم اور ان میں جو کچھ بھی ہے ان سب کے تمام اطراف واسباب سے اور ان سے وابستہ کل اموروا شیاء سے بے نیاز ہو جانا کیونکہ یہ سب کے سب بت[3] ہیں اور یقین کی نظر اسی ایک پاک وبرتر کی بارگاہ میں حضوری پر مامور رہے تا کہ ایمان کی وہ کیفیت جو مامون ومحفوظ ہونے، کے معنی میں ہے حاصل ہو جائے۔ اور وہ **لاخوف علیھم ولاھم یحزنون** (ان لوگوں کے لئے نہ کوئی خوف ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے) کے اس مرتبے تک پہنچ جائے جو مومنوں کے لئے مخصوص ہے۔ اور ایمان کے چہرے سے سرکشی وگمراہی کا پردہ اٹھ جائے اور ایمان کے جمال باکمال کا مشاہدہ ہو جائے۔

اس کے بعد یعنی ایمان کے بعد، اس نے جس کی شان نہایت بلند ہے (یعنی حق تعالیٰ نے) ایک حد فاصل قائم کردیا کہ کوئی (اہل ایمان) اس حد فاصل سے تجاوز نہ کرے اور اس حد فاصل کو شریعت محمدی اور ان کے دین اسلام (درودوسلام ہوان پراوران کی آل پر) سے موسوم کیا لہٰذا ہمیں اس حد فاصل پر قائم رہنا ضروری ہے۔ جب تم نے اس حقیقت کو پالیا تو تم پر دین اسلام اختیار کرنا واجب اور لازم ہوگیا۔

جان من! دین اسلام کی فصیل ہے، جو کوئی بھی اس فصیل کی حدود کے اندر ثابت قدم رہا، کفر اسے نہیں چھو سکے گا۔ اب تم یہ سنو کہ اسلام کیا ہے؟ اسلام کا مطلب ہوتا ہے گردن رکھ دینا یعنی اپنی ارادت و اطاعت کی گردن کو صمصام الامرین (دو احکامی تلوار) کے نیچے رکھ دینا یعنی ایک تو اس ذات پاک وبرتر (حق تعالیٰ) کا حکم اور دوسرے اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان اور اپنے ذاتی مقاصد کو آیت کریمہ **اطیعُواللہ واطیعُو الرسولَ و اولی الامر منکم** [4] کے مطابق پامال کردینا اوران کی مرضی پر مرمٹنا، کہ محبت و ارادت کا سرمایہ اور خوش بختی اور حسن عقیدت کا نشان امتیاز اسی سے حاصل ہوتا ہے۔ پھر یہ کہ اس ذات پاک نے (جس کا ذکر نہایت عظیم ہے) ان سرورکونین (درودوسلام ہوان پراوران کے اصحاب پر) کے دستِ مبارک میں کلمۂ طیبہ کی دودھاری تلوار سپرد کردی تاکہ کلمۂ لا الٰہ کی ضرب سے کفروضلالت کے سروں کو ان کافروں اور مشرکوں سے جدا کردیں۔ اور کلمۂ **لا الہ الا اللہ محمد الر سو ل اللہ** کے ذریعہ دین اسلام کی ایک نئی روح اہل اسلام کو عطا کردیں۔ چنانچہ جن لو

گوں نے بھی اپنے ارادر تمند سروں اور اپنی عبودیت گزار گردنوں کو اسلام کی تلوار کے نیچے رکھ دیا وہ لوگ حیات ابدی سے ہمکنار ہو گئے۔ یہی وجہ ہے کہ بلا تخصیص سب کے لئے آنحضرت کے فرمان ذیشان کے مطابق اس کلمۂ عالی کا اظہار واقرار واجب قرار دیا گیا۔ اے بیٹے! یہ جان لو اور آگاہ رہو کہ جب کبھی اور جہاں کہیں بھی ایمان واسلام کے معنی دریافت کرنا مقصود ہو تو اپنے عقیدت و بندگی کے ہاتھوں میں (اسی) ایمان واسلام کے دامن کو مضبوطی سے پکڑے رہو جسے اوپر بیان کیا گیا)، تاکہ تم صراط مستقیم کی ڈگر پر قائم رہ سکو (اسے طے کر سکو) اور اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکو۔

اس کے بعد نماز کی پابندی کا حکم آتا ہے جس میں کہ نعمت تواصل (قرب الٰہی کی نعمت) حاصل ہوتی ہے۔[5]

بقول آنحضور سرور کونین (درود وسلام ہو ان پر اور ان کے اصحاب پر) نماز مومنوں کی معراج ہے اور اس قدر یہ نماز آنحضور سرور کونین علیہ السلام کو عطا کی گئی تھی۔ لہٰذا تم پر خود کو اس معراج تک لے جانا واجب ولازم ہو گیا۔ تاکہ اہل ایمان اور اہل اسلام کے زمرے میں تمہارا حشر ونشر ہو۔ خبردار! ہرگز اسے ترک نہ کرو۔ یعنی کلمہ شریف کو حرز جاں بنالینا اور نماز پنج وقتہ کو قائم رکھنا اہل ایمان و اسلام کا فریضہ ہے لیکن اس کی ادائیگی کے لئے حصول طہارت کو لازم قرار دیا گیا ہے۔ خواہ وضو سے ہو یا حسب حاجت غسل کر کے ہو۔ اور اس سے ظاہری و باطنی دونوں طہارت مراد ہے۔ اس کے بعد ماہ رمضان المبارک کے روزوں کا حکم فرمایا گیا۔ جو دراصل تعلقات وتکلفات سے حواس کو پاک وصاف کر کے اگلے

اور پچھلے گناہوں کو زائل و نابود کر دیتے ہیں اس کے بعد زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم کہ جس سے ظاہری اور باطنی مال و دولت کی پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔اس کے بعد حج بیت اللہ کا حکم دیا گیا ہے۔

لہٰذا ہر صاحب ایمان کو جو ایمان اور اسلام کے مفہوم سے آگاہ ہے ان پانچ چیزوں سے مَفَر نہیں، انہیں ضرور ادا کرنا ہے۔کیونکہ ان پانچ چیزوں کی حیثیت ایمان و اسلام کے لئے لازمی اور بنیادی ہے۔ان میں سے ہر ایک کی نوعیت دو طرح کی ہے۔حقیقی اور مجازی۔چونکہ خود ایمان اور اسلام حقیقی اور مجازی ہوتے ہیں لہٰذا ان کے لازمی ارکان بھی انہی کی طرح ہیں۔سو اب تم پر واضح رہے کہ ایمان زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کرنے کا نام ہے،زبان سے اقرار یعنی اس لاشریک ذات حق کے یکتا اور موجود ہونے کا زبان سے اقرار کرنا اور صدق دل سے اس بات کا اعتراف کرنا خواہ (اس کی یکتائی اور موجودگی) حقیقی معنوں میں ہو یا مجازی معنوں میں۔حقیقی ایمان تو وہ ہے جو ایمان کی حقیقت کے ساتھ جڑ گیا ہو۔یعنی جس خدا کی وحدانیت اور موجودگی کا زبان و دل سے اقرار کیا گیا ہے اسے پہچانتا اور (دل کی آنکھوں سے) دیکھتا ہو۔اور مجازی ایمان وہ ہے جو عام مومنین و مومنات کا ایمان ہے۔یعنی خدائے عزَّ وجَلّ ذِکرہٗ کو واحد اور کل کائنات اور اس کی ہر شے کا خالق مان لینا۔خواہ اس کی معرفت اور مشاہدے تک وہ پہنچا ہو یا نہ پہنچا ہو۔اسی طرح اسلام کے بھی دو معنی ہیں یعنی اس ذات بلند و برتر اور اس کے حبیب (درود و سلام ہو ان پر اور ان کی آل و اہل بیت و اصحاب پر) کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنا،خواہ

اطاعت کرنے والا گناہگار ہو یا پرہیز گار اور حقیقی اسلام کو کہ جس کی وضاحت اوپر گزری ،اول تا آخر ارکان ظاہری و باطنی دونوں اعتبار سے جناب سید الشہد اعلیہ الصلوۃ والسلام[6] نے کماحقہٗ ادا کر دیا۔

آمدم برسر مطلب، اب یہ جانو کہ یہ راہ سلوک کس طرح طے کی جائے۔ اچھی طرح سمجھ لو اور ہوشیار رہو کہ ہر صاحب ایمان و اسلام کو کسی وقت بھی اپنے دشمن سے جو کہ مستند حدیث کے مطابق نفس امارہ اور شیطان ہے، غافل اور بے پرواہ نہیں رہنا چاہیے، اور اس دشمن کے مقابل خود کو نہتا نہیں چھوڑنا چاہیے۔ کیونکہ آنحضور سرور کونین علیہ الصَلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: ''وضو مومن کا ہتھیار ہے'' لہٰذا چاہے دن ہو چاہے رات، بیداری کی اولین ساعت ہو یا نیند کی حالت، بے وضو نہ رہے اور بے وضو نہ کچھ کھائے نہ کچھ پیے تا کہ اس دشمن و کافر نفس پر فتح حاصل ہو اور ہر وضو کے بعد دو رکعت نماز تحیۃ الوضو ادا کرے۔ کیونکہ اس سے بے شمار فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ اور جہاں تک ہو سکے پنج وقتہ نماز کی باجماعت ادائیگی کا پابند رہے۔ یہ نہ ہو سکے تو بھی (نماز) ہرگز ترک نہ کرے اور ازروئے شریعت[7] جو چیزیں حرام ہیں ان کے قریب نہ جائے اور اپنے جسمانی اعضا کو جان بوجھ کر کسی ایسے کام میں نہ لگائے جو خلاف شرع ہو۔

خاص طور سے نظر کی حفاظت کو واجب و لازم جانے۔ یعنی انہیں دیکھنے سے پرہیز کرے جنہیں دیکھنا شرعاً جائز نہیں۔ کیونکہ نگاہ[8] شیطان کے ترکش کا نہایت ہی کرخت اور کارگر تیر ہے۔ بہتوں کو اس نے اسی تیر سے ہلاک کر ڈالا ہے (جب یہی ایک تیر کافی ہے تو) اسے کوئی دوسرا ہتھیار آزمانے کی ضرورت شاید ہی پڑتی ہو۔

ہر جگہ اور ہر کسی کے گھر کھانا پینا مناسب نہیں اور دن میں دو بار یا ایک ہی چیز کو دو بار کھانے کی عادت نہ ڈالے کیونکہ اس میں بہت بڑا نقصان ہے اور جہاں تک ہو سکے نماز جمعہ بھی ترک نہ کرے کہ اس میں بہت زیادہ نیکیاں اور فائدے پوشیدہ ہیں اور یہ آنحضور سرورکونین خیر الابرار (علیہ الصلوۃ والسلام) کا اتباع ہے اور دوسرے یہ کہ یہ مومنوں کی عید کا دن ہے اور اس دن غسل کرنا مسنون ہے۔

سچ بولنا اپنا شعار بنالو اس لئے کہ صدیقوں کا مقام نہایت بلند و بالا ہے اور خود کو شریعت کے اوامر و نواہی کی بجا آوری کے لئے چاق و چوبند رکھو اور خدا نخواستہ شرعی امور میں سے کسی بھی معاملے میں اگر تم سے لغزش ہو جائے یا تم گر پڑو تو بزور توبہ پھر سے اٹھ کر کھڑے ہو جاؤ اس لئے کہ خطا کار بندوں کا طریقہ کار یہی ہے اور جو توبہ کے سہارے دوبارہ کھڑا نہیں ہوتا وہ منکروں کے زمرے میں ہے جو کہ شیطان لعین کا زمرہ ہے۔(اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں اس سے محفوظ رکھے) اور کسی کی گواہی دینے اور ضمانت لینے کے بکھیڑے میں نہ پڑو کیونکہ اس میں ایمان کے زائل ہو جانے کا خطرہ تو ہے ہی، جسم و جان کی زحمت اور پشیمانی بھی ہے جو بدخواہوں کے لئے باعث شادمانی ہے۔مزید یہ کہ اس میں مال کی بربادی ہے۔

راہ چلتے ہوئے دائیں اور بائیں نظر نہ ڈالو۔اس میں دو فائدے ہیں۔ اول یہ کہ راستہ جلد طے ہو جاتا ہے۔دوسرے یہ کہ نادیدنی (جنہیں دیکھنا شرعاً ممنوع ہے) سے محفوظ رہتے ہیں اور یہ آنحضور سرورکونین علیہ الصلوۃ والسلام کا

اتباع ہے۔شہرت کی ہوس اور حکمرانی کی خواہش کو پوری طرح سے دل سے باہر کردو اور آیت کریمہ واللہ خیرٌ وابقیٰ (اور اللہ بہتر ہے اور سب سے زیادہ باقی رہنے والا۔طٰہٰ ۷۳) کے معنی ومنشا کو ہر گھڑی، ہر لمحہ، ہر منزل اور ہر مقام پر، ہر حال اور ہر کام میں پیش نظر رکھو۔اور ایسا مسلک اختیار کرو جس میں بحث وتکرار کی گنجائش نہ رہے۔اور وہ یہ ہے کہ پیغمبر عربی اور ان کے آل واہل بیت اور ائمہ معصومین (درود وسلام ہو ان سب پر) کے تئیں اپنی محبت وارادت اور اخلاص وعقیدت درست اور مضبوط رکھو۔ہر معاملے میں ان کی اطاعت اور پیروی کرنا اور ہر جوکھم اور بپتا میں ان کا سہارا ڈھونڈنا واجب ولازم سمجھو۔

صحابہ کبار کی شان میں کوئی بھی ایسی بات جو نازیبا ہو یا جس میں اہانت کا کوئی ادنیٰ پہلو بھی ہو ہرگز ہرگز زبان پر نہ لاؤ اور نہ اسے دل میں جگہ دو۔جیسا کہ آج کے کج رفتار زمانے میں علم دین سے نابلد اور یقین سے بے بہرہ لوگوں میں رائج ہے۔کیونکہ اس طرح کی باتوں میں شیطانی وسوسہ اندازی اور دین وایمان کی راہ سے ناواقف عالموں کی پرفریب غلط بیانی کے سوا کچھ بھی نہیں اور اس قماش کے لوگ تمہاری دنیا اور آخرت دونوں کو غارت کردیں گے کیونکہ خواہ کوئی بھی عمل ہو اگر امام وپیشوا (جن لوگوں کا ذکر کہ ابھی اوپر گزرا، درود وسلام ہو ان سب پر) کی روش کے خلاف ہوا تو دنیا اور آخرت دونوں ضائع ہو جائے گی، اور ایمان بھی جاتا رہے گا۔دوسرے یہ جان لو کہ دنیا (تمہارے پاس) اگر بقدر ضرورت ہے، تو ہو، وہ 'دنیا' نہیں ہے۔اگر وہ تعالیٰ عنایت فرمائیں تو خواہ محنت سے ہو یا بغیر کسی محنت کے لائق اور حقدار متعلقین کو اور ہر اس شخص کو جو

دنیوی ضرورتوں کے تحت (تمہاری کفالت کا محتاج) ہے اسباب معاش فراہم کرو اور یہ مراعات جاری رکھواور اس کمتر وحقیر دنیا کی بے ضرورت اور بے انتہا طلب کے میدانِ ہوس سے ہمت کا قدم باہر نکالو اور توکل وقناعت کے ایوان میں جگہ حاصل کرو۔

ہر معاملے میں نیت اور قلب کی اصلاح کے لئے کوشاں رہو یہی طلب سب سے اچھی اور یہی خصلت سب سے عمدہ ہے۔ جیسا کہ قرآن شریف میں آیا ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "بے شک اللہ تمہاری صورتوں اور تمہارے اعمال کی طرف نہیں دیکھتا بلکہ وہ تو تمہارے دلوں اور تمہاری نیتوں پر نظر رکھتا ہے۔" اب جبکہ قلب ونیت ہی وہ مقام ہے جہاں ذات اقدس واعلیٰ کی نظر پڑتی ہے تو انہیں بدکرداری کی کدورت اور گناہوں کی آلودگی سے پاک وصاف کر کے روشن وتابدار رکھنا لازمی ہو گیا ہے۔

اے میرے بیٹے! حق جلَّ شانہٗ تک پہنچنے کی راہیں کُل مخلوقات کی سانسوں کی گنتی کے برابر ہیں۔ (یعنی ناقابل شمار وحصار ہیں) لیکن جو کچھ کہ اس فقیر نے اپنے مرشد ومولا، سالکان طریقت کے پیشوا اور رہروانِ حقیقت کے امام ورہنما، جناب کرامت مآب، شیخ الشیوخ و شیخ اجَلّ ولیِ مادرزاد و ازلی، حضرت شاہ حسن علی صاحب قلبہ وکعبہ (دام ظلہٗ علینا و علیٰ فرق سائر المریدین والمستفیضین اِلیٰ یومِ الدِّین) [9] سے اپنی ارادت کی بدولت سیکھا اور حاصل کیا ہے، اسے شرح وبسط کے ساتھ بیان میں لاتا ہوں۔ اور اسے بھی تحریر میں لا رہا ہوں جو آنجناب (شیخ اجل حضرت شاہ حسن علی صاحب) کے

روحانی فیضان سے اور جناب آں سرور (درود و سلام ہو ان پر اور ان کے تمام آل واہل بیت واصحاب پر) کے قدم مبارک کی برکت سے معلوم و منکشف ہوا ہے۔

ہر چند کہ ان باتوں کو پوشیدہ رکھنا ضروری تھا لیکن اپنے نور نظر مظہر حسین سے، جن کی تاریخ پیدائش بھی 'مَظہرِ کُل' (۱۱۹۵ھ) ہے، تعلق خاطر کے سبب زیر نظر رسالے کو مَظْهَرُ الاَسرار سے موسوم کیا اور اسے پایہ تکمیل تک پہنچا کر راز ہائے سر بستہ کا مُظہرِ اَتَم بنا دیا ہے۔

طریقۂ توجہ

فرزند من! اول طریقہ توجہ جو کہ طریقہ خاص ہے، بیان کرتا ہوں۔ سب سے پہلے یہ جانو کہ توجہ کیا ہے۔ توجہ کا مطلب ہوتا ہے متوجہ ہونا، یعنی ارادت کے چہرے کو ہر طرف سے پھیر کر یکسُو ہو جانا۔ یعنی کثرت سے لاتعلق ہو کر وحدت کی طرف مائل ہونا۔ کیونکہ حقیقی توجہ کی تعبیر یہی ہے اس لئے کہ روئے حقیقی کا آئینہ پیر و مرشد کا روئے زیبا ہے۔ بلکہ وہی وجہ حقیقی، یعنی روئے حق ہے جو کہ واقعتاً روبرو اور مرکز توجہ ہوتا ہے۔ پس طریقہ توجہ کا مطلب ہے کہ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وجهُ الله[10] کے معنی کی پوری رعایت اور کامل یقین کے ساتھ اس وجہ حقیقی کی طرف متوجہ ہونا تا کہ پیر و مرشد کی نظر کے سامنے ان کے دیکھنے کے دوران اسی معنی کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہ "بے شک اللہ تمہاری صورتوں اور تمہارے اعمال کی طرف نہیں بلکہ وہ تو تمہارے دلوں اور تمہاری نیتوں پر نظر رکھتا ہے"، اور قلب و نیت کو تمام آلائشوں سے پاک کرتے ہوئے اپنی نظر کو اس طرح ملاحظہ کر سکے

کہ یہ وہی صورت اور نظر ہے جو اس صورت اور نظر کے سامنے ہے۔ اور خود کو ہر اس فیض کی طرف جو ان کی نظر سے، کہ وہ نظر دراصل عنایت حق ہے، جان و دل پروارد ہوتا ہو، اس طرح متوجہ رکھے کہ وہ جان و دل کے اندر متمکن اور جاگزیں ہوجائے۔ اب اس کے بعد اس نظر کے اشارے ہیں جنہیں 'غمزۂ وعشوۂ فنا' کہتے ہیں۔ (یعنی آغوش فنا کی طرف لے جانے والے اشارات و کنایات)۔ تو اس کے لئے اپنی نظر کو مسدود کر کے اپنے قلب صنوبری پر جو کہ روح حیوانی کا خزانہ اور اسم یاحی کے فیضان کا محلِ وقوع اور معدن و مرکز ہے، نیز یہ کہ قلبِ مومن عرش الٰہی ہے، دھیان لگائے اور مشاہدہ کرے یعنی جس طرح کہ ظاہری رویت کی طرف متوجہ تھا ٹھیک اسی طرح باطنی رویت کی طرف متوجہ رہے۔ لیکن (یہ واضح رہے کہ) ظاہر تشبیہ وصفات کا مقام ہے اور باطن تنزیہ وذات کا۔ اور اپنی معلومات (یعنی جو کچھ کہ تصورات وادراکات میں ہے یا ان سے حاصل ہوتا ہے) کو اسی وجہ حقیقی کے ساتھ مربوط و مستحکم کرے۔ اور نظروں اور نظاروں کی تمام تر دل فریبیوں کو یکسر نظرانداز کرتے ہوئے اس کے جمال لازوال کا مشاہدہ کرتا رہے جس کی شان بڑی عظمت والی ہے، تاکہ اس کے ساتھ تمہاری نسبت اس درجہ مضبوط ہوجائے کہ وہ نسبت، خلوت ہو یا جلوت، دونوں حالت میں تمہارے جان و دل پر غالب نظر آئے۔

حق تعالیٰ نے عرش کو متحرک پیدا فرمایا اور وہ تمام حرکتوں اور ارادوں کی آماجگاہ بنا ہے۔ تو یہ قلب بھی اسی نمونے کے مطابق کارفرما ہے۔ یعنی حرکت قلب سے حق تعالیٰ جس نے اس کی اور اس جیسے تمام مکنونات (پراسرار چیزوں) کی

تخلیق کی ہے، کہ اسم ذات (اللہ) جلَّ ذِکرہٗ کو گویائی مل جاتی ہے۔ بس (اہل دل) اسی انداز سے مشغول ذکر ہوتے ہیں۔

نسبت، رابطہ سے عبارت ہے۔ بس اسی طرح جیسے کہ دو چیزوں کے درمیان کوئی چیز ہوتی ہے۔ چنانچہ اس صورتحال میں ایک کیفیت پیدا ہوجاتی ہے جس سے سالک کے قلب وروح کے درمیان تابع ومتبوع کا رشتہ قائم ہوجاتا ہے اور غیر سے علیحدگی ہوجاتی ہے۔ اور یہ نسبت دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک 'جلال' ہے اور دوسری 'جمال'۔ جلالی نسبت کو 'مطلق جذب' اور جمالی کو 'مطلق سلوک' کہتے ہیں۔ تیسری نسبت 'جذب مع السلوک' کی ہے اور چوتھی 'سلوک مع الجذب' کی۔ ان چاروں نسبتوں کی اپنی اپنی علامتیں ہیں۔

ابتدائے حال کی پہلی صورت میں ہوتا یہ ہے کہ (نسبت کے اثر سے) قلب میں جو حرارت پیدا ہوتی ہے، اس سے حرکت قلب اپنی سابقہ روش کے برعکس کسی طرح کی شدت (یا سرعت) اختیار نہیں کرتی بلکہ اس سے ایک استغراقی حالت ظہور میں آتی ہے یعنی ایسی کیفیت طاری ہوجاتی ہے جو سالک کو خود دور اور بے خبر کردیتی ہے۔ یہ 'مطلق سلوک' کی علامت ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ قلب کی حرارت اضافہ اور تسلسل کے ساتھ طولانی حرکت پیدا کرتی ہے یہ 'سلوک مع الجذب' کی علامت ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ قلبی حرارت دوری حرکت پیدا کرتی ہے اور اس کے ساتھ مستی اور بے خودی کے آثار ظاہر ہوتے ہیں اور سالک پر اس طرح اثر انداز ہوتے ہیں کہ اس کے تمام بدن کے رونگٹے اور بال ابھر آتے اور اپنی

بنوں پر کھڑے ہوجاتے ہیں۔ یا یوں سمجھو کہ جیسے کوئی دریا میں ڈوبا ہوا ہو اور اپنے ظاہری وجود کو معدوم پاتا ہو۔ اور ظاہری علوم سے روز بہ روز نادانستگی بڑھتی جاتی ہے یعنی اپنی ذوقی ووجدانی اور عشقی وجذبی نسبت کے علاوہ دل میں کوئی اور بات نہ آتی ہے اور نہ باقی رہتی ہے۔ اسے 'جذب مع السلوک' کی علامت کہتے ہیں۔

اگر حرارت قلبی کے ساتھ دوری حرکت پیدا ہو اور مذکورۂ بالا کیفیات ظاہر ہوں تو یہ 'مطلق جذب' ہے۔ اگر مستقل یہی حال رہے اور اس میں مزید اضافہ ہوتا جائے تو جذب بڑی سختی سے اپنی جانب کھینچتا ہے۔ لہٰذا توجہ کی ابتدا سے لے کر مشغولی کی انتہا تک مذکورہ علامتوں کے درمیان امتیاز قائم کرنا ضروری ہے تا کہ تمام نسبتوں کو فرداً فرداً پہچان سکے۔

اگر خواجگان بزرگ (قدس اللہ اسرارھم) اس طریقہ سے اکتساب و اشغال اور ان کی اقسام کو ان کی تمام شرائط کے ساتھ بالتفصیل بیان کر چکے ہیں جیسا کہ 'رشحات' [11] میں درج ہے، لیکن چونکہ ہمارے شیخ کے تربیت فرمانے کا طریقہ صرف طریقہ توجہ تھا جو ظاہر و باطن کی توجہ پر مشتمل تھا لہٰذا اسی کا بیان اور اس کی شرح باعث تحریر ہے۔

استیلائے عشقیہ

استیلائے عشقیہ [12] کے لئے کلمہ لا اللہ کا ذکر تین بار، یا سات بار سے شروع کر کے اکیس (۲۱) بار تک کرنے کا حکم ہے تا کہ یہ کیفیت اور نسبت مزید ترقی کرے۔ لیکن ذکر حضور قلب کے ساتھ ہونا چاہیے۔ یعنی (سالک کو چاہیے

کہ) پہلے اپنے قلب اور تمام تر ظاہری و باطنی حواس وقویٰ کو فضول اور ناشائستہ خیالات سے پاک کرے پھر کلمہ لاالٰہ کی تکرار شروع کرے۔ اور نفی (یعنی لاالٰہ) کا اظہار (دنیا و مافیہا کے) تمام مظاہر پر اور خود اپنے وجود پر واقع ہونے والے حدوث وفنا 13 کے مشاہدہ کے ساتھ کرے اور اظہار اثبات کے وقت (یعنی الااللہ کہتے وقت) معبود حقیقی کے قدیم 14 اور باقی ہونے کی صفات کو ملحوظ نظر رکھے۔ مذکورہ کلمے کی تکرار کے وقت زبان کو (تالو سے) ملا کر دل صنوبری کی طرف، جس کا کہ ذات حق سے قریبی تعلق ہے، متوجہ ہو کر سانس اندر کھینچ لے اور (بہ آواز بلند نہیں بلکہ) پوری قوت توجہ کے ساتھ اس طرح ذکر کرے کہ اس کا اثر دل تک پہنچے۔ اور یہ عمل اس قدر احتیاط کے ساتھ کرے کہ اگر کوئی پہلو میں بیٹھا ہو تو اسے اس کی خبر نہ ہو سکے۔ ہر وقت اسی ذکر میں محو رہے اور کوئی بھی دوسرا کام اسے اس شغل سے غافل نہ کر سکے یہاں تک کہ غیبت و بے خودی کی وہی کیفیت، جو اوپر بیان کی گئی اور جو شیخ کی توجہ سے حاصل ہوئی تھی، اس ذکر سے دوبارہ حاصل ہو جائے۔ لیکن دیگر معمولات کے سبب اگر نسبت میں کوئی خلل واقع ہو جائے تو چاہیے کہ اپنے دل کی نظر کو اس نسبت پر اس طرح مرکوز رکھے کہ ہر وقت اسی پر دھیان لگا رہے، تو اس کام کے لئے قلبی توجہ اور نسبت کی حضوری تمام تر حسن و خوبی کے ساتھ اسے دوبارہ حاصل ہو جائے گی۔ اگر صبح سے پہلے اس ذکر کی تکرار کرے گا تو شام ہونے تک اس کا اثر باقی رہے گا اور اگر سونے سے پہلے ایک بار اسے دہرا لیا جائے تو آئندہ صبح تک اس کا اثر موجود رہتا ہے۔

اگر خدائے تعالیٰ کا فضل سالک کے شامل حال رہا تو بعض اوقات اس

میں غیبت و بے خودی کے آثار بھی پیدا ہوتے ہیں جو کہ ابتدائے جذب کی علامت ہے اور جب بھی کیفیت و بے خودی اور غیبت کا اثر اپنے اندر رونما ہوتا دیکھے تو خود کو اسی کیفیت میں مشغول رکھے۔ جب تک وہ کیفیت باقی رہتی ہے ذکر میں مشغول ہونے کی ضرورت نہیں لیکن جب وہ کیفیت زائل ہونے لگے تو حسب ارشاد پھر سے ذکر کی تکرار کی طرف رجوع کرے تاکہ اس کیفیت پر اسے قدرت حاصل ہو جائے یعنی وہ کیفیت اس کی مناسب حال ملکیت بن جائے، اور وہ اس کی بساط علمی (یعنی حسی، ادراکی، تعقلاتی، اور وجدانی قوتوں) پر بخوبی نقش ہو جائے تاکہ جب بھی اسے اس کا خیال آئے تو محض ایک توجہ سے اس کا کام بن جائے اور وہ اپنے سابقہ حال سے سر بسر مکیف ہو جائے۔

جس دم اگر موافق مزاج ضروری ہو تو ایک سانس میں تین بار، یا پانچ بار، یا سات بار، لیکن زیادہ سے زیادہ اکیس بار تک، حبس دم کی رعایت کے ساتھ ذکر کی تکرار کرے۔ کیونکہ یہ (فاسد) خیالات کی نفی اور بے خودی، کیفیت کے حصول کے لئے نہایت کارگر طریقہ ہے۔ اور یہ عمل انتہائی سرور انگیز مٹھاس کی صورت میں اس پر، یعنی سالک پر اثر انداز ہوتا ہے۔

مراقبہ

وہ توجہ جو مراقبہ پر مشتمل ہے اس کی تفصیل یہ ہے۔ توجہ کا مطلب وہی ہے جو اوپر تحریر کیا گیا۔ لفظ "مراقبہ" رقیب اور رقبۃ سے ماخوذ ہے۔ یعنی سالک اپنی گردن جھکا کر اور ٹھوڑی کو اپنے سینے سے لگا کر اللہ کے سوا ہر شی کا

رقیب ہو جاتا ہے ۔یعنی اللہ کے سوا جو بھی خیال آتا ہے وہ اس کی نفی کرتا ہے۔ابتدائی ایام میں پہلے صرف اسم ذات (لفظ اللہ) پر، کسی ارادی حرکت کے ساتھ نہیں بلکہ قلب کی طبعی حرکت کے ساتھ، غائر نظر سے توجہ مرکوز رکھے اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی توجہ کا منتظر رہے۔

اس کے بعد جب یہ عمل سالک کا ملکہ بن کر اس کے حال سے ہم آہنگ ہوجائے گا تو وہ اسی بے چونی اور بے چگونی 15 کے معنی کو، یعنی اسی مفہوم کو جو اسم ذات یعنی لفظ اللہ سے مراد لیا جاتا ہے، عربی اور فارسی کے اللہ اور ُخدا ٗ وغیرہ جیسے الفاظ کے توسط کے بغیر، خود اپنے قلب کی گہرائیوں میں موجود پائے گا۔ اسی معنی کو دھیان میں رکھتے ہوئے پورے ہوش وحواس کے ساتھ اپنے قلب صنوبری پر توجہ رکھے۔ پھر ایک ایسا وقت بھی آئے گا جب کوئی تکلف حائل نہیں رہتا۔ یعنی سالک جب کبھی اپنے قلب صنوبری کی جانب متوجہ ہوتا ہے تو مذکورہٗ بالا معنی کو کھلی آنکھوں کے درمیان اپنے خیال میں گزرتا ہوا دیکھتا ہے۔ اور اسے ہر بار وہی سرور انگیز مٹھاس اور بے خودی اور ماسوی اللہ کے علم سے لاتعلقی حاصل ہوتی ہے۔لیکن چونکہ اس بے مثل و بے کیف مفہوم کے تعین و تحقیق اور اس کی شناخت اور تفہیم تک پہنچنے میں، خاص طور سے اگر سالک میں جہد وجذبہ کی کمی ہو تو، بڑی دشواریاں پیش آتی ہیں لہٰذا اسے چاہیے کہ معنی مقصود کو ذہن میں لاکر ایک ایسی روشنی کا تصور کرے جو اس کی بصیرت کی آنکھوں کے سامنے چاروں سمت پھیلی ہوئی ہو اور اس کے علم اور مشاہدے میں موجود تمام اشیا کو گھیرے ہوئے ہو۔ یعنی اپنے باطن کی آنکھ اور اس روشنی کو تمام تر شعوری اور ادراکی قوتوں کے ساتھ قلب

صنوبری کی توجہ پر مرکوز کرتا رہے تاوقتیکہ وہ صورت درمیان سے ہٹ نہ جائے اور ایک ایسی ہی بے مثل و بے کیف صورت، جیسی کہ وہ چاہتا ہے، اس کے سامنے جلوہ گر نہ ہو جائے۔ اور یہی شغل جاری رکھے۔ لیکن ہمارے شیخ (مدظلہ) کے ارشاد کے مطابق صرف قلب صنوبری کی طرف معنیٔ مقصود کی موجودگی کا لحاظ رکھتے ہوئے متوجہ رہنا ہی کافی ہے۔ لیکن اسم ذات کے ذکر کے بعد اور مذکورہ معنی کو ملحوظ رکھتے ہوئے۔

فرزندمن! جب اذکار و افکار سے کام بن جائے تو پھر خوشا نصیب میسر ہو۔ ایسے شیخ کی عالی رتبہ صحبت، جیسے کہ میرے شیخ مدظلہٗ ہیں، کہ جب بھی ان کی صحبت میں بیٹھے تو توجہ کے وقت (وہی توجہ جس کے معنی سے تم بخوبی واقف ہو) ان کے قلب کا اثر اپنے قلب میں محسوس ہوتا ہے، اور اس اثر کے سبب قلب صنوبری کی طرف توجہ خود بخود مبذول ہو جاتی ہے، اور (طالب) خود کو ماسویٰ کی آلودگیوں سے پاک محسوس کرتا ہے، اس کے پاس سوائے اس کیفیت کے جو مطلوبہ معنی کا خیال آتے ہی اس پر طاری ہوتی ہے، اور کچھ بھی باقی نہیں رہتا، اسی میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اسی کو "طریقہ رابطہ" کہتے ہیں۔ اسے غنیمت سمجھ کر اسی طریقے سے اپنے مقصد تک رسائی حاصل کرنی چاہئے۔ اور اگر صحبت کے بعد قصور و فتور واقع ہو تو پھر سے ان کی صحبت کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور (سالک) یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رکھے جب تک کہ یہ نسبت اور متعلقہ کیفیت اس کی اپنی (قابل تصرف) ملکیت نہ بن جائے اور اس کے باطنی واردات میں نہ بدل جائے۔ اور اسی حالت کو دوام آگہی کا حضور یا مشاہدہ کہتے

ہیں۔یعنی اس رابطہ کی غیر موجودگی میں اس کی محسوساتی صورت کو اپنی آنکھوں کے سامنے خیال میں لا کر یادداشت میں محفوظ رکھیں تو وہ ذہن کو منتشر نہیں ہونے دیتی اور اپنی جانب متوجہ رکھتی ہے۔ پھر جب دیکھے کہ اس روبرو مشاہدے کے اثر سے اس کے اندر اس طرح کے آثار پیدا ہو گئے ہیں تو ایسی حالت میں مذکورہ طریقہ رابطہ سے علیحدگی جائز ہے اور اسے ترک کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

(سالک) جب اس کیفیت سے متصف ہو کر صاحب حال ہو جائے تو اسے چاہیے کہ 'شغل ربُّ الارباب' میں مشغول ہو۔اور جب اس سے فارغ ہو جائے تو 'شغل معیّت' کا آغاز کرے اور جب اس مرحلے کو طے کر لے تو، شغل 'سِرُّ السِّر' میں جسے 'قال صحیح' اور 'کلمۃ الحق' بھی کہتے ہیں، مشغول ہو جائے، اور جب اسے بخوبی پورا کر لے تو طریقہ انبیاء علیہم السلام کی طرف قدم بڑھائے۔ ابتدا طریقہ ابراہیمی (علیٰ نبیّنا وعلیہ السلام) سے کرے اس کے بعد طریقہ موسوی (علیٰ نبیّنا وعلیہ السلام) سے گزر کر طریقہ محمد (علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام) پر اپنے کام کی تکمیل کرے۔

ایک بار پھر نزول سے عروج کی طرف بڑھے اور یہ عروج عین نزول اور نزول عین عروج ہے۔یعنی حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کے طریقے سے اس کام کا آغاز کرے اور حضرت سید الشہدا علیہ السلام کے طریقے پر اسے ختم کرے۔ اگرچہ ظاہراً ان کے جیسا ہونا ہر کسی کے لئے ناممکن ہے۔ یہ صرف آنجناب کا ہی حصہ ہے۔لیکن آنجناب (حضرت سید الشہدا علیہ السلام) کے قدم شریف کی برکت سے

ان کے طریقے پر باطن میں اس کام کوانجام دے سکتے ہیں۔ اور اسے 'نماز عشق' اور ''نماز فنائے کلی'' بھی کہا جاتا ہے۔ایک اور طریقہ ہے اور وہ ہے۔

انامدینۃ العلم وعلی بابھا ۔(میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ)

یہ بھی حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کا طریقہ ہے،تو اس میں بھی مشغول ہونا چاہیے۔

دوسرا ایک طریقہ'' طریقہ اویسیہ'' ہے جو کہ درود پڑھنے کا ایک خاص طریقہ ہے اور اس میں حضور سرور کائنات (درود وسلام ہو ان پر اور ان کی تمام آل واہل بیت پر) کے جمال جہاں آرا کا دیدار ہوتا ہے۔اور ایصالِ درود کے دوسرے طریقے بھی ہیں جن سے فنائیت کی راہ طے کی جاتی ہے۔ اور یہ وہ علم حقائق ہے جو آنحضور سرور کونین علیہ السلام کے فیضان کرم سے عطا ہوا ہے۔ یہ سب صرف میرے پیر ومرشد کے قدموں کی برکت اور ان کی تائید وعنایت کے سبب ہوا ہے۔اس کی تفصیل آگے بیان کی جائے گی۔

دوسری بات یہ ہے کہ طریقہ توجہ کے لئے ان حالات کا منکشف ہونا بھی ضروری ہے جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اکثر لوگوں کے دل میں ابتدائی مرحلے میں اس طرح کے خطرات (خیالات) وارد ہوتے ہیں جیسے کہ کوئی بچہ کسی شخصِ مخاطب کے بغیر باتیں کر رہا ہو۔اس کے بعد جائے خناس یعنی انسان کے سینے میں جو مقام وسوسہ ہے وہ پاک وصاف ہو جاتا ہے لیکن جب تک یہ مقصد بہ تمام و کمال حاصل نہیں ہو جاتا طرح طرح کے خطرات اس راہ میں رخنہ اندازی کرتے اور مغالطے پیدا کرتے ہیں۔لیکن سالک کسی بھی حال میں اپنا شغل نہیں ترک کرتا کیونکہ یہ آزمائش کا مقام ہے۔

راہ سلوک کے خطرات

خطرات کی چار قسمیں ہیں، اور وہ ہر آدمی سے جانتے بوجھتے بھی بے اختیار سرزد ہوتے ہیں۔ لیکن خبردار! اس بداندیش و بے اعتبار نفس کے بہلاوے میں ہرگز نہ آنا اور اپنی جگہ سے ذرا بھی جنبش یا حرکت نہ کرنا۔ اور اپنے کام سے جی کبھی نہ چرانا۔ وہ چار قسم کے خطرات یہ ہیں، شیطانی، نفسانی، مَلکی اور رحمانی۔ ان میں سے ہر ایک کی علامتیں بیان کی جاری ہیں۔

خطرۂ شیطانی وہ ہے جو نفس کو ممنوعات شرع کی طرف، مثلاً شراب نوشی اور فسق و فجور کی طرف مائل کرتا ہے۔

خطرۂ نفسانی وہ ہے جو سالک کے دل میں موج مستی اور تعیش پسندی جیسی دنیوی لذتوں اور ان کے اسباب و وسائل کی طلب پیدا کرتا ہے۔

خطرۂ مَلکی وہ ہے جو نفس کو اس بات کی ترغیب دیتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ عبادت و ریاضت کرے تاکہ اسے بزرگی حاصل ہو۔ جب نفس گناہوں سے باز آجاتا ہے تو شیطانی وسوسوں کی ساری ترغیبات تھک ہار کرنا کام اور بیزار ہو جاتی ہیں اور وہ طاعت و عبادت کا رخ اختیار کر لیتی ہیں، کیونکہ یہ کام دراصل فرشتوں کا ہے اور فرشتوں کا، سوائے اس کام کے، جس کا حق تعالیٰ شانہٗ نے انہیں حکم فرمایا ہے، کوئی اور مقصد یا مدعا نہیں ہوتا۔

خطرۂ ربانی (یا خطرۂ رحمانی) وہ خطرات ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ

اپنے احکام کی طرف متوجہ کرتا اور اپنی محبت واطاعت سے اور اپنی ملاقات کے اشتیاق سے نوازتا ہے اور اس طرح اسے اپنی عبادت کے لائق بنا دیتا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ وہ ماسویٰ سے لاتعلق ہو جاتا ہے۔

لہٰذا سالک کو چاہیے کہ خطرات کی ان چاروں قسموں کو اپنے اندر پہچانے اور ہر وہ خطرہ، جس سے حق تعالیٰ شانہٗ وجل برہانہٗ کی عبادت کا شوق اور اس سے ملاقات کی آرزو اور تڑپ تیز سے تیز تر ہو جاتی ہو، اسے اختیار کر لے اور باقی تمام خطرات سے دور نکل جائے اور انہیں خود سے دور کر دے۔

بعض لوگوں پر ان کی کامیابی کا انکشاف انوار وتجلیات کی صورت شروع ہوتا ہے اور بعض لوگوں پر سکر و مستی، گم گشتگی اور اپنے آپ سے بے خبری کے طور پر، اس حال میں سالک کا علم برقرار رہتا ہے۔ بعض لوگوں میں مطلق بے علمی کی حالت پیدا ہو جاتی ہے، اور باقی حالات خود ان انکشافات سے گزرنے پر واضح ہوں گے۔ یہاں ان کا اظہار ضروری نہیں کیونکہ یہ محض خیال آرائی ہو گی۔ اکثر وبیشتر، بات وجد وشورش تک پہنچ جاتی ہے، لیکن یہ حال مبتدیوں کا ہے، اور جو لوگ سلوک کے درمیانی یا آخری مرحلے میں ہیں ان احوال سے دور ہیں۔

بعض لوگوں میں وجد وشورش کا آغاز اس طرح سے ہوتا ہے کہ پہلے تو قلب کی حرکت اور اس سے پیدا ہونے والی حرارت اتنی شدت اختیار کر لیتی ہے کہ جاروب انفاس جاری ہو جاتا ہے اور اس کے بعد ہاتھ پاؤں پٹکنے اور نعرہ زنی کرنے تک کی نوبت آ جاتی ہے۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ جن کے تمام اعضا اس حرکت اور گرمی کی سبب متحرک اور مضطرب ہو اٹھتے، پھڑکنے اور کانپنے لگتے ہیں

پھر وہ لوگ چیخ پکار کرنے لگتے ہیں۔ پھر اس کے بعد اسم ذات کے شغل و ذکر سے کوئی سروکار باقی نہیں رہتا اور واسطہ صرف علم حضور سے رہ جاتا ہے جو ماسوئی سے متعلق تمام خطرات و اضافات [16] سے منقطع ہوجانے کا نام ہے۔ اور سالک کا تعلق صرف اسی ایک ذات اعلیٰ و برتر کی موجودیت اور وحدانیت سے رہ جاتا ہے۔ اسی حال میں وہ مستغرق اور مسرور رہتا ہے۔ البتہ اور حال میں بھی بعض لوگوں میں اپنی انانیت کا علم [17] باقی رہتا ہے۔ ایسے لوگ فنائے کلی سے ہنوز دور ہیں۔ بعض لوگوں کو ہمارے شیخ (مدظلہٗ) جیسے پیر و مرشد کی توجہ کی بدولت فنائے کلی کی نعمت حاصل ہوجاتی ہے تو ایسی کوئی چیز باقی نہیں رہتی، سب کچھ فنا ہوجاتا ہے۔ لیکن اس حال کا علم پھر بھی رہتا ہے اور فناء الفنا اس وقت حاصل ہوتی ہے جب اس حال کا علم بھی باقی نہیں رہتا اور وہ بھی فنا ہوجاتا ہے اور مٹ جاتا ہے۔ اس حال کے حاصل ہوتے ہی سالک دوام آگہی اور دوام حضور کے مقام پر فائز ہوجاتا ہے سالک اس حضوری سے ہمہ وقت آگاہ ہوتا ہے اور مشغول رہتا ہے۔ حضوری سے کیا مراد ہے اسے گذشتہ صفحات میں بیان کیا جاچکا۔ اب مکرر بیان کرنے کی یہاں ضرورت نہیں۔ اب ان اشغال کو باتفصیل بیان کرتا ہوں جن کا ذکر پہلے گذرا۔

شغل رب الارباب

شغل رب الارباب یہ ہے کہ رب کے معنی ہیں پرورش کرنے والا اور ہر شے کو اس کی (مقدرہ) معراج کمال تک پہنچانے والا۔ لہٰذا باخبر رہے کہ روح

عالم اجسام کا رب ہے اور روح کا رب وہ رب الارباب ہے جسے رب العالمین کہا جاتا ہے۔تمام حرکات وسکنات اور افعال واقوال، یعنی فی الجملہ تمام احوال وآثار اس کی جانب سے روح تک پہنچتے ہیں اور پھر ارواح کے ذریعہ اجسام پر نافذ ہوتے ہیں۔ سالک ہمہ وقت اسی فکر میں محو رہتا ہے اور ہر حال میں اور ہر مقام پر رب حقیقی کے سوا ہر شئے اس کی نظر سے دور ہو جاتی ہے۔

اس مقام پر پہنچ کر وہ اسم ذات کا ذکر اس کی صفات ربوبیت کے ساتھ کرنے لگتا ہے، ظاہر میں بھی اور باطن بھی۔

شغل معیّت

شغل معیّت [18] یہ ہے کہ ہر حال میں اور ہر مقام پر اللہ مَعکُم اَینما کُنتُم و اللہ بما تعملون بصیر [19] کے معنی ومنشا کے مطابق ذات حق سبحانہٗ کی معیّت کو فرق ِمراتب کے ساتھ ملحوظِ نظر رکھے اور ذکر میں مشغول رہے۔جس قدر کہ وہ اسمی اضافتیں جو غیریت اور غیر کے وجود کو متعین اور لازم قرار دیتی ہیں، سالک کے باطن سے نابود ہوتی جاتی ہیں وہ اپنے آپ کو جناب اقدس کی معیّت کے ساتھ دیکھتا اور اس کا اعتراف کرتا جاتا ہے۔ اس طرح جب سالک کے لئے جمعیّت (یکجا ہونے) کا مفہوم قابل اثبات ہو جاتا ہے تو ٹھیک اسی نہج پر وہ تمام اشیا کا معیت حق کے ساتھ مشاہدہ کرنے لگتا ہے۔

شغل سِرُّ السِّر

شغل سِرُّ السِّر جو کہ وصول الی اللہ، نہیں بلکہ وصل باللہ، یا وصل فی اللہ نہیں بلکہ تمام اضافات وعبارات کو مسترد کر دینے اور ان سے منقطع ہو جانے کا نام ہے، وہ پانچ شرائط، ننانوے ارکان، ایک واسطہ، تین اصول، دو دقیقے، پانچ مراقبے، تین مشاہدے، ایک لا مشاہدہ، تین حقیقت از روئے اعتبار، اور تین توحید اور ایک وجود پر مشتمل ہے۔

اولاً پانچ شرائط یہ ہیں۔ پہلی شرط ہے غسل، دوسری شرط ہے جمعرات کا دن (یعنی شب جمعہ)، تیسری ہے اندھیرا کمرہ، چوتھی ہے بالکل تن تنہا ہونا، اور پانچویں شرط ہے سجدہ شکرانہ بعد توبہ و اطلاع واسطہ۔ اور واسطہ سے مراد ہے سرالسر سے آگاہ کرنا۔

بعد ازاں دو دقیقوں میں پہلا یہ ہے کہ واسطہ کو نہ اپنے علم سے جانے اور نہ نظر سے دیکھے اور نہ اسے زبان پر لائے بلکہ اسے حق تعالیٰ کا واسطہ جان کر اپنا سارا کام کرے۔ دوسرا دقیقہ یہ ہے کہ اسے صرف زبانِ فکر سے یاد کرنا ہے، اپنے منھ کی زبان سے نہیں۔

ننانوے رکن سے مراد ہے حق تعالیٰ کے ننانوے اسمائے حسنیٰ کا ذکر سرالسر کے ذریعہ۔ سہ (تین) اصول میں بالترتیب اصل اول احدیت، دویم وحدت، اور سویم واحدیت ہے۔

پانچ مراقبوں میں اول مراقبۂ ناسوتی ہے۔ دوسرا مراقبۂ ملکوتی، تیسرا مراقبۂ جبروتی، چوتھا مراقبۂ لاہوتی، اور پانچواں مراقبۂ ہاہوتی ہے۔

تین مشاہدوں میں پہلا مشاہدۂ ظاہر، دوسرا مشاہدۂ غیب، اور تیسرا مشاہدۂ غیب الغیب ہے۔اس کے بعد ایک لا مشاہدہ ہے۔

اسی طرح تین حقائق میں پہلی ہے حقیقت کونی وامکانی، دوسری ہے وجوبی حقیقت الٰہیہ جو جملہ کونی وامکانی حقیقتوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ تیسری حقیقت ہے حقیقت محمدی جو مذکورہ دونوں حقیقتوں کی جامع ہے۔

تین توحیدوں میں اول توحید افعالی ہے۔ دویم توحید صفاتی اور سویم توحید ذاتی ہے۔اس کے بعد یک وجود۔[20]

اب اس اجمال کی تفصیل یہ ہے: سب سے پہلے یہ جانو کہ غسل کیا ہے۔ ایک غسل وہ ہوتا ہے جو نجاست دور کرنے کے لئے ہو۔ دوسرا ''غسل توبہ'' جو مذموم وقبیح عادات وخصائل سے پاک ہونے کی غرض سے ہو۔ تیسرا غسل میّت ہے جو اپنی انانیت سے نجات حاصل کرنے کے لئے ہو جو کہ حق تعالیٰ شانہٗ اپنے حبیب کریم علیہ وآلہ واھل بیتہ واصحابہ الصلوۃ والتسلیم کی برکت کے طفیل ہمارے نفس کو مغلوب ومنہدم کر کے عطا فرماتا ہے۔ جمعرات کی رات بھی ایک شرط ہے اسی دن مذکورہ بالا ترتیب کے مطابق یہ عمل کرے لیکن رات کے وقت نماز عشاء کے بعد یا تہجد کے وقت۔ اندھیرا کمرہ اور بالکل تنہا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ خلوت میں سوائے دو شخص (مرید و مرشد) کے، جو کہ در حقیقت ایک ہی ہیں، کوئی اور نہ ہو۔ مرید کو اسی اندھیری کوٹھری میں بٹھایا جائے، دونوں

ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑیں، اور مرید سے کہا جائے کہ وہ اپنے رسمی وموروثی دین وایمان اور علوم وعقائد سے، اور تمام گناہوں سے صدق وخلوص کے ساتھ توبہ کرے۔اس کے بعد مرشد مرید کواس واسطہ سے آگاہ کرتا ہے جو کہ کوئی معروف کلمہ (یعنی کوئی لفظ یا نام یا قول) ہوتا ہے اور وہ حصول مقصد کے لئے ایک واسطے کا، اور کبھی آگاہی اور انتباہ کا، کام کرتا ہے۔اس کے بعد مرید سجدۂ شکرانہ ادا کرتا ہے۔اور اس کے بعد مرشد مرید کو دو دقیقوں سے متعارف کراتا ہے۔ اول دقیقہ اس واسطہ کے تعلق سے دقیقہ کے معنی کا انکشاف ہے۔اس میں پہلا یہ ہے کہ سِرُّ السِّر کو وہ اپنے علم سے مبرا اور معرا کرے۔اور اسے زبان ذہن سے نہیں بلکہ جان وفکر کی زبان سے ادا کرے اور جان وفکر کے ذریعہ ہی سنا کرے۔دقیقۂ دویم یہ ہے کہ مذکورۂ بالا واسطے کے دیکھنے اور جاننے کو حق جانے اور اس پر یقین کرے۔اور ننانوے رکن سے مراد ہے باری تعالٰی کے ننانوے ناموں کے ذکر کی مشق سِرُّ السِّر کے طریقے سے کرنا ظاہر اور باطن دونوں کی نظر سے۔تین اصول میں پہلی اصل 'احدیت' یعنی لاتعین یعنی سِرُّ السرّ ہے۔اس معنی کا اثبات ملحوظ خاطر رہے۔دوسری اصل 'وحدت' یعنی تعین اول ہے جسے حقیقت محمدی بھی کہتے ہیں صلی اللہ علیہ وآلہ واھل بیتہ واصحابہ۔اور اسے مذکر حقیقی کہا جاتا ہے۔تیسری اصل 'واحدیت' ہے جسے مؤنث حقیقی کا نام دیا گیا ہے۔یہیں سے ہر حقیقت کی جزئیات کا ظہور ہوتا ہے اور وہ معرض بیان میں آتی ہیں انہی دو اصول میں سرالسر کے انہی مراتب کے لحاظ سے مشغول اور ذاکر ہونا چاہیے۔

پانچ اقسام مراقبہ یہ ہیں: اول 'مراقبہٗ ناسوت' یعنی سرالسر کے لحاظ سے خود میں مراقب ہوکر کل ناسوت عالم کا مشاہدہ کرے۔ دوسرا مراقبہ 'مراقبہٗ ملکوت' یعنی سرالسر سے خود میں مراقب ہونا اور اپنے نفوس اور جملہ اعیان میں عالم ملکوت کو دیکھے۔ تیسرا مراقبہ یہ ہے کہ از روئے سرالسرا پنے قلب یعنی روح حیوانی میں مراقب ہو اور عالم جبروت کا نظارہ کرے۔ چوتھا مراقبہ لاہوتی ہے جس کا مطلب ہے روح انسانی یعنی نفس ناطقہ میں مراقب ہونا اور حقیقت صفات کے ساتھ لحاظ ذات کی دریافت سے گزرنا۔ اور پانچواں مراقبہ 'مراقبہٗ ہاہوتی' ہے جس کا مطلب ہے اس ذات محض کا جو ہر کیفیت وکمیت سے ماورا ہے، سرالسر کے طریقے سے مراقب ہوکر اس مرتبہٗ اطلاق میں، جو کہ خود قید اطلاق میں ہے، صرف اس کی ھویت کے لحاظ سے مشاہدہ کرنا۔

مشاہدہ کی تین قسمیں ہیں۔ جن میں پہلا مشاہدہ ہے اس عالم ظاہر ومحوس کا جو ہمارے حواس کے ذریعہ ہمارے علم میں آتا ہے اور جسے عالم ناسوت اور عالم ملک اور عالم شہادت بھی کہتے ہیں تو سرالسر کے ذریعے اس عالم کا اس کی کثرت پذیری اور کثرت آرائی کی صفات کے ساتھ مشاہدہ کرتے ہیں۔ دوسرا مشاہدہ مشاہدہ غیب ہے یعنی سرالسر کے طریقے سے شغل گنج الاسرار میں محو ہونا ہے۔ تیسرا مشاہدہ غیب الغیب کا ہے۔ یہ مشاہدہ سرالسر کے ذریعہ قلب مدور میں باطن کی نظر سے کرتے ہیں اور ایک لامشاہدہ ہے وہ اس طرح ہے کہ سرالسر کے ذریعہ مشاہدے میں آتا ہے کہ تحیر کا سامنا ہورہا ہے اور اس مقام تحیر پر شاہد و مشہود حائل نہیں ہیں بلکہ خود سے ہی غائب ہوگئے ہیں۔

اس کے بعد تین اعتباری حقیقتیں ہیں جو دراصل ایک ہی حقیقت ہیں۔ اول وہ ہے جو اپنے نزول وابتدا کے اعتبار سے کونی وامکانی حقیقت ہے لیکن وہ استحالہ (تحول پذیری) کے سبب تین طرح کی ارواح میں منقسم ہوجاتی ہے۔ سرالسر کے ذریعہ اس کا معائنہ کرتے ہیں اور ظاہراً اور باطناً دونوں لحاظ سے ان تینوں، یعنی حیوانی، طبعی اور نفسانی ارواح کا تعلق تین موالید سے ہے، اور حضرت انسان میں ہم ان تینوں کو موجود پاتے ہیں۔ جب سرالسر سے اپنی ذات کا مشاہدہ کرتے ہیں تو اس حقیقت کونیہ کو اس کی دونوں حالتوں میں یعنی بطور واجب اور بطور ممکن دیکھتے ہیں۔ دوسری حقیقت حقیقت محمدی (علیہ والہ واھل بیتہ واصحابہ الصلوۃ والسلام) ہے کہ جس مرتبۂ حقیقت میں الوہی اور کونی دو حقیقتوں کے کل محاسن اور کمالات مندرج ہیں اور جنہیں سرالسر کے ذریعہ مشاہدے میں لاتے ہیں۔ تیسری حقیقت حقیقت الحقائق ہے جسے نزول کے اعتبار سے جامع حقیقت انسانی اور عروج کے اعتبار سے ذاتی حقیقت الٰہی کہتے ہیں اور جس کا سرالسر کے ذریعہ اپنی ذات میں معائنہ ومشاہدہ کیا جاتا ہے۔

اور تین توحیدوں میں اول 'توحید افعالی' ہے جس کا ظہور ان افعال کی صورت ہوتا ہے جو فی الواقع وجود میں آتے ہیں۔ اور وہ سب کے سب سرالسر کی نظر سے بطور واحد حقیقی ایک حقیقت نظر آتے ہیں۔ دویم 'توحید صفاتی' ہے جس میں حق تعالیٰ کی صفات کی سرالسر کے ذریعہ مفصل آگہی حاصل ہوتی ہے۔ سویم 'توحید ذاتی' ہے۔ یہ مرتبۂ احدیت ہے جس کی معرفت خود اپنی احدیت کے اعتبار سے ہوتی ہے، اور اسی میں دائم الحال مشغول ہوجاتے ہیں۔

یک وجود سے مراد حقیقت حقیقیہ کا وہ شغل ہے جس میں سارے عالم کو نور واحد جانتے ہیں اور کل عالم اجسام سے قطع نظر کر کے نور واحد کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وانعام اور اس کے حبیب مکرم (علیه وعلیٰ اله واهل بیته واصحابه الصلوة والسلام) کے کرم سے وہ نور ضرور نظر آئے گا۔ بقول آں سرور واله (علیه و اٰله واهل بیته الصلوة والسلام) یہ بات بالکل ثابت اور یقینی ہے کہ انا من نور اللہ والخلق کلهم من نوری (یعنی میں اللہ کے نور سے ہوں اور ساری خلقت میرے نور سے ہے)۔ اللہ بس باقی ہوس۔ اس طریقۂ انیقہ کے احوال کہاں تک لکھے جائیں جب ان احوال ومواجید سے تم گزرو گے وہ خود ہی واضح ہو جائیں گے۔

طریقۂ ابراہیمی

فرزند من! طریقۂ ابراہیمی یہ ہے کہ جس طرح حضرت ابراہیم خلیل اللہ (علی نبینا وعلیه الصلوة والسلام) آیت لااحب الافلین [21] پر پوری ثابت قدمی سے عمل پیرا ہو گئے تم بھی انہی کی طرح ہر ماسویٰ کو عارضی اور ناپائدار گردان کر حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور غور کرو کہ آیت کریمہ میں لفظ حُب کیوں آیا ہے۔ یعنی قلب کو ناپائدار چیزوں کی محبت سے پاک وصاف کر کے، اور ہر شے سے قطع نظر کرتے ہوئے اپنے دل ونگاہ کا رخ اسی حق تعالیٰ کی جانب پھیر لو جو ابدالاباد تک باقی رہنے والا اور ارض وسماوات کا خالق ہے۔ لیکن یہ توجہ محض تصور وتفکر سے نہیں بلکہ ایمان ویقین کی نظر سے ہونی چاہیے۔ کیونکہ اس کی شان کو تصور میں لانے اور اس کی ذات میں غور وفکر کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ لیکن یقین کر لینے سے کام بن

جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ کسی قرینے سے بھی یقین کرنے سے منع نہیں کیا گیا۔

فرزندمن! بالکل اسی طرح جیسے کسی شے کو اپنے سامنے موجود سمجھ کر اس سے روبرو ہوتے یا اس کی جانب متوجہ ہوتے ہیں،تم یقین کامل کے ساتھ حق تعالیٰ کو یکتا وجاوداں اور فی الواقع موجود جان کر اس کی جانب متوجہ ہو جاؤ اور اپنے تمام ارادوں سے دستبردار ہو جاؤ۔اور یہ احتیاط رہے کہ صرف مکمل توجہ الی اللہ سے اس کام کا آغاز کرنا ہے۔لہٰذا اس میں ذکر وفکر اور شغل واکتساب کے ارادے کا بھی کوئی دخل نہ ہو۔کیونکہ یہ بھی غیر حق ہے۔چنانچہ اگر تم اس باریک نکتہ پر ذرا ٹھہر کر غور کرو تو یہ پاؤ گے کہ جب کبھی ہم کسی چیز کے لئے کسی طرح کا ارادہ کرتے ہیں تو وہی چیز ہمارا اولین مقصد بن جاتی ہے۔

لہٰذا ارادہ وتوجہ شروع سے ہی حق تعالیٰ کی طرف مرکوز رہے۔اور اس کی طرف نگاہ توجہ سے دیکھتے ہوئے جس کام یا جس شئے کا ارادہ کرے گا تو ذات حق کی نسبت کے ساتھ اس کام کا نتیجہ ظاہر ہوگا گوکہ وہ ذات ہمیشہ دور ہی رہتی ہے اور دور رہے گی۔

ایک اور قابل غور نکتہ یہ ہے کہ جبکہ سالک کے اثبات ویقین کی نظر کو اس شئے کی موجودگی سے روشناس ہونے کا کوئی تجربہ نہیں ہے تو اس لئے بھی یہ لازم ہو جاتا ہے کہ اس شئے کی دریافت سے گزر کر وہ اس کی موجودگی کا اثبات و اعتراف کرے تاکہ اس کی بے نشانی کا حجاب اس کے علم ویقین کی نظر کے سامنے سے ہٹ جائے۔حق تعالیٰ جل شانہٗ یقیناً موجود ہے لیکن اس کی تجلیات کی لطافت کے سبب وہ (سالک) اسے دیکھنے سے قاصر ہے۔چنانچہ سالک کا علم بھی

اسی یقین اور اسی علم کا پابند ہو گیا ہے کہ اسے دیکھا ہی نہیں جا سکتا۔ اور حق تعالیٰ کے پردۂ غیب میں پوشیدہ ہونے اور نظر نہ آنے کی بنا پر یہی رجحان اس پر غالب رہتا ہے۔ اس لئے پہلے تو اپنی پوری توجہ بغیر کسی ذکر و فکر اور شغل و عمل کے صرف حق تعالیٰ کی طرف رکھے، اور محکم یقین کے ساتھ اس کو موجود جان کر اس کی طرف متوجہ رہے۔ اسی طرح اگر ذات حق سبحانہٗ کے روبرو خود کو حاضر جانے گا تو اسے یقین کلی حاصل ہو جائے گا، اور یقین و بصیرت کو اس کی موجودگی نظر آ جائے گی، اور وہ جو ناپائدار قسم کا ہے وہ ناپید ہو جائے گا اور ظاہر ہو جائے گا کہ خیر و بقا مطلقاً اللہ کے لئے ہے۔

جب اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ[22] کے معنی کا ادراک ہو جائے گا تو وہ حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر بقائے دوام سے ہمکنار ہو جائے گا اور انبیا علیہم السلام کی راہِ سلوک کا رخ صرف ذاتِ حق کی طرف ہوتا ہے لیکن شغل و کسب کی ریاضت کے طریقے پر نہیں بلکہ بہر طور یقین خالص کے ساتھ۔ کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے یقین و بصیرت کی نظر سے حق تعالیٰ کی موجودگی اور معیّت ابتدائے آفرینش سے روز آخرت تک ایک لمحہ کے لئے بھی جدا نہیں ہوتی، بس اُسی نسبت میں اپنے یقین کو مستغرق اور مشغول رکھو۔

اے سالک! یقین جانو کہ جب کوئی شخص یہ ارادہ کرتا ہے کہ مجھے حق تعالیٰ کی جانب متوجہ ہونا ہے، یا میں فلاں ذکر یا فلاں شغل کروں گا، یا میں نماز پڑھوں گا تو اپنی خودی کے اثبات کے سبب اُس کا ارادہ سر آغاز ہی شغل و ذکر کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ اور اس طرح وہ حَنِیْفاً وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ سے دور

جاتا ہے۔ کیونکہ اس کے ارادے نے شغل وذکر کو ذاتِ حق کے ساتھ شریک کر دیا۔ اور وہ حق سے جدا ہو گیا۔ یہ بڑا ہی باریک رمز ہے کہ اگر کوئی پورے صدق و خلوص کے ساتھ، بالکل بے لوث و بے غرض ہو کر، حق تعالیٰ سے وابستہ نہ ہو بلکہ واسطے سے ہی وابستہ رہے، تو یہ واسطہ کسی مقام پر بھی اُس سے جدا نہیں ہوگا اور (اس کے اور حق تعالیٰ کے درمیان) ایک لطیف حجاب حائل رہ جائے گا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اُس بارگاہ میں یقین کی نظر سے یکبارگی متوجہ ہو اور خود سے بیگانہ ہو کر اپنی نظر کو یکسو کر کے ایک ہی طرف یعنی حق تعالیٰ کی طرف دیکھتا رہے اور اپنے باطن میں وہی قول جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ (علیٰ نبینا و علیہ السلام) سے منسوب ہے، وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِين (کہ میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں)۔ اپنے حال اور اپنی فکر کی زبان سے دہراتا رہے۔ اور لفظ 'مَا أَنَا' میں ایک رمز یہ ہے کہ اس سے اپنی نفی کرنا بھی مقصود ہے۔ یہ وہ کام ہے جس میں جان بھی غیریت کا درجہ رکھتی ہے۔ اس لئے اس راہ میں اسے بھی بصد شوق اور بالا تمام فنا کر دینا لازمی ہے۔

طریقۂ موسوی

طریقۂ موسوی (علیٰ نبینا و علیہ السلام) یہ ہے کہ اپنے دماغ کو کوہِ طور سمجھ کر فکر و بصیرت کی نظر سے اُس پر توجہ رکھے۔ پھر حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اُسی قول اَرِنی کا پورے یقین کے ساتھ، اُنہیں کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے جان و دل کو عشق و محبت کی آگ کے حوالے کر کے، جان و دل

کی زبان سے وِرد کرے۔ انشاء اللہ تعالیٰ، حضرت رسالتمآب (علیہ و آلہ و اھل بیتہ و اصحابہ الصلوۃ و السلام) کے تقدس کے طفیل کوہِ طور کا واقعہ پیش آئے گا۔

طریقۂ محمدی ﷺ

اب طریقۂ محمدی بیان کرتا ہوں۔ اور یہ سب حضرت آں سرور (علیہ و آلہ و اھل بیتہ و اصحابہ الصلوۃ و السلام) کی نوازشات ہیں جن میں بالکل خاص طریقہ طریقۂ اُوسیہ ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ منگل کا دن تھا اور تاریخ تھی ۲۷ر جمادی الثانی ۱۱۹۹ھ فصلی، درودِ پاک کی برکت اور اللہ کے فضل و کرم سے اور جناب کرامت مآب میرے مرشد و مولا کی عنایتِ بے نہایت سے، مجھے آنحضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ارشاد و تعلیم حاصل ہوئی۔ وہ اس طرح ہوا کہ میں دو یا تین یارانِ طریقت کے ساتھ مشغول تھا کہ میں نے اپنے ظاہر و باطن کو آں سرور علیہ السلام کی صورت میں دیکھا اور اپنے یارانِ طریقت کو آنحضرت کے اصحاب کے مثل دیکھا اور پہچانا۔ اور درج ذیل طریقوں کی تعلیم سے مجھے سرفراز فرمایا گیا۔ سب سے پہلے یہ ارشاد ہوا کہ کلمۂ طیبہ تین فقروں سے مرکّب ہے۔ اول غیر کی نفی، دویم ذاتِ حق کا اثبات، سوئم محمدیت اور رسالت کا اثبات۔ یہ جان لو اور آگاہ رہو کہ غیر کی نفی کرتے وقت تمام چیزوں کی نفی کے ساتھ اپنی نفی کرنا بھی لازم ہے۔ اور ذاتِ حق تعالیٰ کا اثبات صرف مرتبۂ محمدیہ کے اثبات کے طور پر کرنا چاہیے۔

اثبات کے معنی کا یہ پہلو بہت کم لوگوں نے یا شاید کسی نے بھی دریافت

نہیں کیا۔ اس کمترین سے یہ ارشاد فرمایا گیا کہ رسالت کے معنی کی تحقیق کروتا کہ تمہیں حقیقتِ امر کا کچھ اندازہ ہو سکے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اسم مفعول ہے، تو اس کا معنی ہوا، 'حمد کیا گیا' یعنی 'صفات سے موہوب اور متصف کیا گیا'۔

لہٰذا معلوم یہ ہوا کہ کونی حقیقت کی تمام ذاتی وصفاتی، اور لازمی وامکانی خوبیوں کو، اور اُس اُلوہی حقیقت کو جو اس عالم امر و روح پر اسماء والفاظ کے رنگ میں۔۔ مثلاً سماعت وبصارت اور حکمت و دانائی کے طور پر۔۔ آشکار ہوتی ہے، یکجا کر کے حق تعالیٰ نے ہیولائے انسانی تیار کیا اور اُسے مجسم انسانی تشخص میں ظاہر کیا اور اُس کا نام 'انسان' رکھا، جو اپنی حقیقت کے اعتبار سے کل موجودات کا آئینہ بن گیا، تو اس معنی میں وہ مظہرِ کثرت بن کر ظہور میں آیا۔ اور اُس نے اپنی وحدت کو اس عالم انسانی میں کہ جو عالم ناسوت اور عالم شہادت ہے، اور اپنی اصلیت کے اعتبار سے برزخِ کبریٰ اور اپنے مرئی اور محسوس ہونے کے لحاظ سے برزخِ صغریٰ ہے، کثرت سے وابستہ کر دیا، بلکہ عین کثرت میں بدل دیا۔

نتیجتاً عاشق و معشوق وعشق جیسی (جذبِ باہم کی) صورتحال پیدا ہوگئی۔
چنانچہ عالم و معلوم اور علم سب اعتباری تفسیریں ہیں اور لاتعین کا عالم تمام کیفیات سے ماوراء ہے۔ لہٰذا تحقیق سے ثابت ہو گیا کہ روح کے بغیر جسم کا برقرار رہنا محال ہے، اور بغیر جسم کے روح کا قابلِ انکشاف ہونا محال ہے۔ یعنی اِس تعلقِ باہمی کے بغیر اور مرتبۂ محمدیت کی صفات کا اثبات کئے بغیر اس جہانِ نمود یعنی عالمِ ملک میں اس کے وجود کو دریافت کر پانا ممکن نہیں۔ اور اس بات کی دلیل کے لئے لَولاكَ لَما خَلَقْتُ الافلاك (اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو

آسمانوں کی تخلیق بھی نہ ہوتی) کافی ہے۔اب جبکہ اس ثابت شدہ حقیقت کوتم نے دریافت کرلیا تواپنی بصارت کی نظر جس کسی پر بھی ڈالوتواسی معنی کی تحقیق تک پہنچ کراس کا لحاظ رکھتے ہوئے ڈالو۔تم یہ پاؤگے کہ ہرآن اور ہرلحظہ جنابِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ تمہارے حال میں تصرف کررہی ہے۔اورلفظِ رسالت ''رسل'' سے مشتق ہے جوگذاشتن کے معنی میں آیا ہے نہ کہ فرستادن یعنی بھیجنے اورقاصد بنانے کے معنی میں۔اورگذاشتن یہاں کثرت کا مترادف ہے۔ (یعنی کثرتِ امکان سے محمول ہے) مطلب یہ کہ ذاتِ حق سبحانہٗ کی وحدت (کا فیضان) صفاتی وجود کی کثرت میں جاری وساری ہے۔اور یہی مرتبۂ محمدیت ہے۔اسے اچھی طرح سمجھ لواور یادرکھوکہ حصولِ مقصد کا یہی طریقہ ہے۔جب یہ معنی پورے ثبوت اورتحقیق کے ساتھ دریافت ہوگیا کہ یہ شخص اُسی مرتبۂ محمدیت کی تمام صفات سے متصف ہے، یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے، پھروہ پورے یقین کے ساتھ جان لیتا ہے کہ یہ ذات بھی وہی ذات ہے یعنی خودکواپنے یقین وخیال کی نظر سے ہٹا کر مجھ کوثابت کرتا اورثابت سمجھتا ہے۔اوروہ سرُّ السِرّ کی زبان سے، یعنی اپنی جان ودل کے اندر، نہ زبانِ دہن سے اورنہ حرکتِ قلب سے، مشغول وذاکر رہتا ہے۔ بلکہ وہ اس طریقے سے ذکر کرتا ہے جس طرح سے کوئی بچہ یا کوئی بھی شخص اپنے باطن میں کوئی بات کہتا ہے یا خود سے سوال کرتا اور خود ہی جواب دیتا ہے۔

اسی طرح میرے حُلیے کا تصور کرتا اوراُسے خیال میں لاتا ہے۔یعنی اپنے ظاہر کو میری ہستی تصور کرتا اوراپنے باطن میں حق جلّ وعلا کو جاگزیں سمجھتا

ہے اور اپنی بصارت کی نظر کو اپنی ناک کے پڑے پر مرکوز رکھتا ہے کیونکہ وہ مقام محمود ہے۔ اور اُسی جگہ کشائش کا دَر کھلتا ہے۔ اور میرا حال جیسا کہ ظاہر ہے آئندہ بھی ظاہر ہوتا رہے گا۔ لہٰذا اِن تمام معانی کو دریافت کرتے ہوئے مستغرق اور مشغول رہنا ہوگا۔

آنجناب (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کا دوسرا ارشاد یہ تھا کہ لطیف کو پردۂ لطیف میں ہی دیکھنا چاہیے۔ جس طرح کہ شمع پر ایک لطیف پردہ ہوتا ہے۔ آنجناب کا نور بھی فانوس کی لو کی روشنی کے مثل ہے۔ آنجناب کے نور کو اسی طرح در پردہ دیکھنا چاہیے، فکر کی نظر سے۔ حالانکہ شروع میں یہ کام بہت کٹھن معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے چاہیے کہ ایک آئینہ ہاتھ میں رکھے تو اُس شخص کا عکس، جو کہ اوپر تحریر کیے گئے معنی میں اُنہیں صفات کا حامل ہے، اُس آئینے میں آجائے گا۔ اب اُس شخص کو چاہیے کہ اُس حُلیے کو ملاحظہ کرتے ہوئے آنجناب کو پورے یقین کے ساتھ اس میں دیکھتا رہے۔ کچھ دیر بعد، اگر سلوک کی نسبت کارفرما رہی تو ایک چاندنی کی چادر سی اس کے سامنے پھیل جائے گی اور سارا عالم اور خود سالک بھی نورِ مقصود سے روشن ہو جائے گا۔ اور اگر جذب کی نسبت غالب رہی تو بجلی کے کوندے یا آفتاب کی شعاعوں جیسی تیز چمک ظاہر ہوگی۔ ان دونوں حالتوں میں مطلوبہ عکس یا اس سے بالکل مشابہ صورت نظر آئے گی، تو بس یہی کافی ہے۔

اپنا مشاہدہ

دوسرا طریقہ یوں حاصل ہوا کہ اربعین (چلّہ کشی) میں بیٹھنے سے پہلے ایک دن یہ خاکسار مشغول تھا۔ عین مشغولی کے عالم میں اپنے آقا و مرشد، اپنے

عالیجناب شیخ مدظلہٗ کو میں نے دیکھا۔ وہ اُس وقت آں سرور (علیہ الصلوٰۃ والسلام وعلیٰ آلہ واھل بیتہٖ واصحابہ الکرام) کے جمالِ باکمال کی صورت میں دوشِ مبارک پر سیاہ کملی ڈالے ہوئے نظر آئے۔ دیدار سے مشرف ہوا۔ لیکن صرف اس ایک واقعہ سے میرے اندر ایک شورش برپا ہوگئی۔ جب اِس حال سے افاقہ ہوا تو پاسِ انفاس کے ساتھ درود کی کثرت خود بخود شروع ہوگئی۔ تین چار دنوں تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس کے بعد اسی مہینے میں جس کا ذکر اوپر گزرا، چاندرات کو جمعرات کے دن اُسی مقام پر میں چلّہ کشی کے لئے بیٹھا۔ جس دن کہ میں چلہ کشی کے لئے بیٹھا اسی دن سے پاس انفاس کے ساتھ جو درود جاری تھا وہ رک گیا۔ اب وہ درود صرف نفسِ ناطقہ کے ساتھ میری جانِ باطن میں جاری ہوگیا۔

اس کے بعد جب بھی مشغول ہوا یا آنکھیں کھلی بھی رہیں تو اُس ذکر سے نفس ناطقہ میں تنگی محسوس ہونے لگی۔ پھر یہ خیال آیا کہ سابقہ مشغولی کے دوران ایک ایسی بے علمی و بے خبری کی کیفیت طاری ہوئی تھی کہ اپنی ذات کے ساتھ صرف حق تعالیٰ کی معیّت کا علم باقی رہ گیا تھا اور ایک انتہائی سرور آمیز سرشاری کا عالم تھا۔ لیکن یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ اس حالت میں کچھ کمی واقع ہوئی یا اس کے بعد کیا ہوا۔ تو میں نے چاہا کہ شغلِ درود کو موقوف کر کے سابقہ ذکر میں مشغول ہو جاؤں لیکن وہ مشغولی کسی طرح بھی حاصل نہیں ہوسکی۔ کوشش کے باوجود، بجائے اس شغل کے درود ہی جاری رہا۔ بالآخر حضرت رسالتمآب (صلی اللہ علیہ وآلہ واھل بیتہ واصحابہ وسلم) کی نوازشِ التفات سے چار یا پانچ دنوں کے بعد شغل درود استغراقی کیفیت میں بدل گیا۔ پریشان خیالی دور ہوئی اور درود کے معانی منکشف ہوگئے۔

درود شریف

درود اِس طرح ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ علیٰ مُحَمَّدِنِ النبیِّ الاُمِّیِّ واٰلِہٖ واَصحَابِہٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

یہ فقیر بیس یا بائیس بار جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضوری سے مشرف ہوا۔ پہلی بار مورچھل برداری کرنے کا شرف حاصل ہوا، دوسری بار عمامہ باندھنے کا۔ تیسری بار صرف یہ دیکھا کہ تشریف فرما ہیں۔

اَللّٰھُمَّ۔ یعنی الف لام میں اور لام الف میں محو ہو گیا۔ پھر وہی لام جو ایک الگ مرتبۂ تعداد کے ساتھ ہے اپنی عددی قدر کے ساتھ الف سے پیوست ہو گیا۔ پھر الف اور لام دونوں ھا کی ھُوَیّت کا دائرہ بن گئے جو ھُو کی معنوی وسعت کا مظہر ہے۔ اور اُسی 'ہ' کی ایک صورت نے جو اسمِ ذات اللہ میں ہے میم کے دائرے کی شکل اختیار کر لی۔ اور میم کا دُنبالہ جو الف کا ہم شکل ہے اُس کے ساتھ جُڑ گیا۔ مطلب یہ ہوا کہ وہ ذات جو مرتبۂ احدیت میں ہے اپنی تمام صفات کے ساتھ محمدیت کے میم کے دائرے میں جلوہ گر ہو گئی۔ اور اسی منزل پر ننانوے اسمائے الٰہی بصورتِ الف اِن مراتب سے گزر کر محمدیت کے دائرے میں جلوہ نما ہوئے ہیں۔ پھر دل میں یہ نکتہ اِلقا ہوا کہ آنجناب کے مبارک اسمِ ذات محمد میں چار حروف ہیں۔ اور اسم اللہ بھی میم کی صورت میں بطورِ رمز پوشیدہ نظر آتا ہے، اور 'حا' کی صورت میں، اور 'میمِ ثانی' کی صورت میں، اور 'دال' کی

صورت میں۔غرض کہ چاروں حروف کی صورتوں میں کیا کیا اسرار پوشیدہ ہیں اُن کا انکشاف ہوا۔تو معلوم یہ ہوا کہ ھُوِیّت کے دائرے نے جس میم کی صورت اختیار کی ہے وہ ذات کا احاطہ تو کرتا ہی ہے لیکن دوسری طرف وہ خود اسماء وصفات سے گھرا ہوا ہے۔میم اول سے اُس کے محیط ہونے اور میم ثانی سے اس کے محاط (گھرے ہوئے) ہونے کی طرف اشارہ ہے۔چونکہ 'م' جب تحریر میں آتا ہے تو وہ 'میم' ہوجاتا ہے (یعنی م دو بار لکھا جاتا ہے) حالانکہ وہ ایک ہی م ہے۔اور مرتبۂ اعداد (حسابِ جُمل) کے اعتبار سے، جو کثرت کی طرف اشارہ کرتا ہے، 'میم' کا عدد نوے ہوتا ہے اور 'حا' جو تحریری شکل میں الف کے ساتھ لکھی جاتی ہے مرتبۂ اعداد میں نو (۹) کے برابر ہے۔تو دونوں مل کر ننانوے (۹۹) ہوگئے۔اور 'حا' کی آواز کا تعلق دوطرفہ معنی سے ہے۔اوّل یہ ہے کہ وہ حقیقت محمدی پر دلالت کرتی ہے جس سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ وہ ذاتِ بے کیف اپنے تمام اسماء وصفات کے ساتھ محمدیت کے 'میم' کے دائرے میں جلوہ فرما ہے۔وہی حقیقتِ محمدی ہے۔اور اسی واسطے 'حا' کو درمیان میں رکھا گیا ہے۔اور دویم یہ ہے کہ اُس کے ذریعہ اپنی احدیت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔کیونکہ 'میم' وہی الف ہے جس نے چاہا کہ اپنے اسماء وصفات کا احاطہ کرے تو اس نے 'ہ' کے دائرے کی صورت اختیار کرلی جو کہ ہو بہو دائرۂ 'میم' ہے۔اور جب بھی وہ درمیان سے ہٹ جاتا ہے یعنی پھر سے 'الف' کی صورت میں آجاتا ہے تو اس کا نام اسم مبارک کی 'دال' کے ساتھ اَحد ہوجاتا ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ احد نے جب چاہا کہ موجودات کی علمی صورتوں کے ساتھ، جو کہ اُس ذاتِ پاک کے اسماء

وصفات میں خود کو ظاہر کرے تو وہ محمد ہو گیا۔ اور وہی محمد جب چاہتا ہے کہ مرتبۂ لاتعین میں رہے تو وہ احد ہو جاتا ہے۔ اور اِسی معنی میں آں سرور (علیہ و آلہ و اھل بیتہ الصلوٰۃ والسلام) کی وہ حدیث ہے جس میں کہا گیا ہے کہ میں وہ احمد ہوں جو بغیر میم کا ہے۔

دال بھی دو معنی میں ہے ایک تو وہ جو **الف** اور **لام** کے ساتھ لکھی جاتی ہے۔ مراتب اعداد یعنی اپنی کثرت کے اعتبار سے وہ پینتیس (۳۵) ہوتی ہے۔ اور اس کے لئے ایک لفظ **لهٗ** ہے (یعنی **لهٗ** کا عدد بھی دال کے مساوی ہے)۔ دال بمعنی دلیل بھی ہے۔ اور **لهٗ** کا مطلب ہے برائے اوست۔ (یعنی اُس کے لئے ہے)۔ لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ اِس راہِ معرفت کی دلیل اور اس کے اعلیٰ درجات تک رسائی کا وسیلہ اُنہی کی ذاتِ اقدس ہے۔ اور سب کچھ اُنہی کا ہے بلکہ سب کچھ وہی ہیں۔ کیونکہ **لهٗ** کے **لام** کو **لهٗ** سے ساقط کر دیا جائے تو صرف **هُو** باقی رہ جاتا ہے۔ یعنی وہی ذاتِ بے کیف۔ سبحان اللہ! مراتب محمدی کیا کہنا۔ جس نے اس ذاتِ پاک کا دامن مضبوطی سے نہیں تھاما اس کے لئے کہیں جگہ نہیں ہے۔ بلکہ اس کے لئے تو کچھ بھی نہیں ہے۔ خاک پڑے اُس کے سر پر۔

علاوہ ازیں دائرے کی صورت ''ہ'' جو کہ دائرۂ 'میم' بھی ہے اور جو ذاتِ بے کیف کی طرف اشارہ کرتا ہے اس نے ایک خط فاصل (یعنی جدا کرنے والی ایک لکیر) کھینچ دی جس کا نام قاب قوسین ہے۔ اب اس صورت میں وہ 'ہ' آدم بھی ہے اور حقیقتِ محمدی بھی۔ دونوں نام اسی سے ظہور میں آئے ہیں۔ اس 'ہ' کا نصف قوس دال کی صورت ہے اور نصف قوس بہ شکل میم۔ اور اس کا خط

فاصل **الف** کی شکل میں۔ اور آنحضور سرور کونین (علیہ و آلہ واھل بیتہ الصلوٰۃ والسلام) کا اسمِ مبارک **محمد** اس **ھا** کے دائرے سے اسمِ ذات اس طرح ہوا کہ 'ھا' کا دائرہ اسمِ ذات ہے، جو کہ دائرۂ 'میم' بھی ہے تو مراتب اعداد میں اس کا عدد چالیس ہوا، اور عدد صغیر کے طور پر وہ صرف چار کے برابر ہے جو کہ 'دال' ہے (کیونکہ چار کا عدد دال کے برابر ہے) اور یہ دو 'میم' جو ایک 'میم' سے برآمد ہوئے ہیں اور 'میم' کی یہ تکرار اس کے محاط ہونے کی دلیل ہے، تو دونوں 'میم' کا کل عدد اسّی (۸۰) ہوا اور اعداد صغیر کے طریقے سے آٹھ کے برابر۔ نتیجتاً وہ 'ح' کے برابر ہو گیا۔ تو اس طرح تینوں کو جمع کریں۔ (۸۰ + ۴ + ۸)، تو نام پاک **محمد** (۹۲) حاصل ہوتا ہے۔ اور آدم میں میم حرفِ آخر ہے اور آں سرور علیہ و آلہ الصلوٰۃ والسلام کے نام پاک میں وہ اوّل ہے۔ جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایک تو آدم اوّلیت اور ابتدا کے معنی میں ہے مطلب یہ کہ 'میم' سے **محمدیت** کے جو مراتب مراد لئے جاتے ہیں ان کی ابتدا آدم سے ہوئی اور ان مراتب کی انتہا بھی اسی سے ہے یعنی اِتمام بھی اُسی پر ہوا۔ اور دوسرے معنی میں، حضرت آدم کے نام مبارک میں میم جو آخر میں ہے اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان کی اولاد میں مہدیؑ بھی ہیں جو میم کے انہی مراتب کے سلسلے کی آخری کڑی ہیں جن کا ظہور بالکل آخر میں ہوگا اور خلافت محمدی کا قیام اور اختتام انہی کی ذات پاک سے ہوگا۔

آدمؑ کے تین حروف تحریر میں لائے جائیں تو وہ **الف** اور **دال** اور **میم** ہیں۔ اور وہ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا موالید ثلاثہ پر دلالت کرتے ہیں۔ چوتھا

حرف الف جو مخفی ہے وہ ذاتِ احد کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ یعنی ذاتِ احد موالید ثلاثہ کے ظاہر و باطن میں جاری وساری ہے۔ چنانچہ یہ 'ہ' جو دائرہ کی طرح لکھی جاتی ہے، اس مکتوبی ھا کی صورت خطِ فاصل بہ شکل الف سے جُڑ جاتی ہے، اور حروفِ بسیط کے مرتبہٗ اعداد میں، جس سے کہ کثرت مراد لی جاتی ہے، وہ چھ کے برابر ہو جاتی ہے۔ اس کے معنی چھ اطراف (شش جہات) ہو گئے۔ اور دال کے چار عدد ہوتے ہیں، تو گویا وہ عالم ظاہر کے چار عناصر ہو گئے۔ چھ (۶) کے عدد نے واؤ کی صورت لے لی تو وہ 'ھو' بن گیا اور اس مقام پر دہائی کے اعداد ظاہر ہوئے یعنی اس کا عدد گیارہ ہو گیا۔ اور اس گیارہ سے اُس 'یا' کی صورت سامنے آئی جسے الف کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ اب (بغیر الف) تو وہ 'ھی' ہو گیا۔ لہٰذا اسی صورت سے تینوں اسم ھا، ھو، ھی بھی پہچان میں آ گئے۔ یعنی وہ ذاتِ بے کیف اس ظاہر و باطن کے عالم میں حقیقت محمدی سے، اور اسی کے واسطے سے، پہچانی اور پائی جاتی ہے۔ اور 'ھی' جو مرتبہٗ اعداد یعنی عالم کثرت میں پندرہ (۱۵) ہے اس سے بطور کل عرش و کرسی، لوح و قلم، اور سات آسمان اور چار عناصر مراد ہے، کیونکہ یہ بھی پندرہ ہوئے۔ اور ھی سے ذاتِ محمد کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی سب کچھ انہی کی ذاتِ پاک میں ہے اور اُنہی کا ہے۔ بلکہ سب کچھ وہی ہیں کہ یہ وہی ذاتِ پاک ہے جو اپنے مرتبہٗ ظہور میں انواع و کثرت کے ساتھ ہے۔ لہٰذا غور کرو، اور سمجھو۔

صلِّ علیٰ سے مراد یہ ہے کہ جملہ صفات اور ننانوے اسماء کے علاوہ اور بھی دیگر اسماء الٰہی، سب کے سب آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات میں

موجود ہیں۔ آنحضور کی ذات اقدس ان تمام اسماء وصفات کی جامع ہے۔ وہ اس طرح ہے کہ 'ص' جس کا عدد نوّے (۹۰) ہوتا ہے اور اعداد صغیر کے طریقے سے میم (م+ی+م) کا عدد نو (۹) بنتا ہے۔ اس طرح دونوں کا جمع ننانوے ہوجاتا ہے۔ اور نبی اُمّی میں لفظ اُمّی آنحضرت کا وہ نام ہے جو ھُوِیَت یعنی مرتبہء لاتعیُّن و بے کیفی کو ظاہر کرتا ہے اور خواص وعوام کے درمیان آنحضرت کی وحدت کے نزول کے درجہ بہ درجہ مراتب کی طرف اشارہ کرتا ہے جن کی وضاحت اور تفصیل میں جانے اور اُنہیں تحریر میں لانے کی اجازت نہیں۔ سالک جب ان احوال سے گزرے گا تو آنحضور کی نوازش وعنایت سے وہ خود بخود واضح ہوجائیں گے۔

اُس درود کے بارے میں جو اوپر تحریر کیا گیا یہ ارشاد ہوا کہ درود پڑھتے وقت یہ خیال رہے کہ ٹھوڑی سینے سے لگی رہے۔ اور باطن کی نگاہ اسی جگہ جمی رہے۔ کیونکہ کامیابی کا دروازہ وہیں سے کھلتا ہے۔ اور وہ درود تمہیں تحریری شکل میں نظر آئے گا۔

خود فقیر کو اس بات کا مشاہدہ ہوا، تو کتاب دیکھ کر پڑھنے کی ضرورت نہیں رہی۔ جب اَللّٰھُمَّ سے درود پڑھنا شروع کرے تو ذاتِ احد کو اللہ کے الف کے ذریعہ خیال میں لاکر لام اور الف میں محو ہوجائے۔ پھر ھا سے اپنی ھُوِیَّت میں گم ہوکر محمد کے میم کے دائرے کو ان کی تمام صفات کے ساتھ تصور کرے۔ مطلب یہ ہے کہ اَحَد کی ذاتِ بے کیف جو ھُوِیَّت کی ھَا کا مرجَع ہے حقیقتِ محمدی کے دائرے میں اپنے تمام اسماء صفات کے ساتھ ظاہر و باطن کے عالم میں ساری و طاری ہے اور اس کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ لیکن یہ احاطہ سریان وطریان کے معنی

میں نہیں ہے کہ جسے حلول و اِتّحاد سمجھا جائے، نعوذ باللہ۔ اِس طرح کے خیالات سے اللہ کی پناہ۔ اور خود سے مخاطب ہو کر یہ کہے کہ میری یہ ذات اپنی صفات کے ساتھ دراصل وہی حقیقتِ محمدی ہے۔ (نزول کے اُن درجات کے لحاظ سے جو عوام وخواص میں پائے جاتے ہیں۔) اس لئے سالک اگر اپنی فنا چاہتا ہے تو اپنی انانیت کو، کہ جس کا شعورِ حق تعالیٰ کی انانیت کے سبب ہے، دھیان میں رکھتے ہوئے اور اپنے نفسِ ناطقہ میں اپنے باطن کے کل موجودات کو بطور کل ایک حقیقت، اور حقیقتِ ذات کے لحاظ سے صرف حقیقت محمدی سمجھے، اور اپنے ظاہری وجود سے منسوب کل موجودات کی شناخت اسی حقیقت کے اسماء وصفات کے طور پر کرے۔ اور شغلِ درود سے اسے پایۂ ثبوت تک پہنچانے میں مشغول رہے۔ درود شریف کی اسی تحریری شکل کو ذہن میں محفوظ و مستحضر رکھے اور ورد کرتا رہے یہاں تک کہ اُسے فنا حاصل ہو جائے۔ یہ بات از روئے حقیقت ثابت ہو جائے کہ دیکھو یہ وہی ہے جو اپنی ذات وصفات کے ساتھ فی الواقع موجود ہے، اور جو مراتب محمدی کے نام سے موسوم ہے اور ذات کے اعتبار سے حقیقتِ محمدی ہے، یعنی جس کا باطن حقیقتِ محمدی ہے، اور جس کا ظاہر اسماء وصفات کے لحاظ سے، اور اپنی انانیت کی آگہی کے ساتھ، بالکل جانا پہچانا اور مخاطب و متکلم ہے۔ اس حقیقت کی مثال ہر جگہ موجود ہے، اگر باطن کی نظر سے حجاب اُٹھ جائے تو وہ نظر آ جائے گی۔

اُس کے بعد معرفتِ ذات کے شغل سے متعلق بہت سی باتوں کا اِنکشاف ہوا۔ اور یہ معلوم ہوا کہ جسے ذاتِ الٰہی کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے وہ عوالم (جہانِ ظاہر اور جہانِ باطن) کی طرف متوجہ نہیں ہوتا یعنی اسماء وصفات کی

طرف، کیونکہ یہ سارا جہان اسماء وصفات ہی تو ہے، خواہ وہ ظاہر میں ہوں یا باطن میں۔ اور ذات کی معرفت کا معاملہ صرف اتنا ہے کہ وہ جس عالم میں بھی ہوگی کسی جاننے والے کے علم میں واقع ہوگی اور جاننے والے کا علم اس کی ذات سے الگ کبھی نہیں ہوسکتا۔ البتہ اس کے علم کا تعلق اور توجہ کی نسبت موجودات کی علمی صورتوں سے ہوتی ہے جو جمادات و نباتات وحیوانات، اور مختلف عناصر، اور ستاروں اور سیاروں کی شکل میں عالمِ ظاہر میں ہیں، اور عالم باطن، جو باطنی مشاہدات کی دنیا ہے، جیسے کہ ملائکہ اور عرش وغیرہ، اس کے علم کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اور جس کو ذاتِ الٰہی کا عرفان ہوتا ہے اس کے علم وتوجہ کی نسبت اسماء و صفات اور ذات دونوں سے ہوتی ہے، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔ یہی وہ مقامِ معرفت ہے جہاں انوار و ملائکہ کا مشاہدہ پیش آتا ہے۔ لہٰذا اہلِ ذکر واصحابِ شغل اور اربابِ تصور ومراقبہ اسی مقام تک پہنچنے کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ اور اہل معرفت اس مقام پر پہنچ کر تکمیلِ علم کرتے ہیں۔ لہٰذا ان دونوں مراتب کو بیان کردینا ضروری ہے۔

اول یہ ہے کہ وہ سالک جو ذاتِ الٰہی کے علم سے بہرہ ور ہے وہ یہ بھی جانتا ہے کہ سالک کی انانیت حق تعالیٰ کی انانیت ہے، اس لئے وہ اس طریقے پر عمل پیرا ہے کہ وہ اپنی انانیت کے ذریعہ موجودات کی ان علمی صورتوں کی طرف جنہیں وہ خود اپنی ذات میں موجود پاتا ہے، متوجہ رہتا ہے۔ اپنے دل میں اسمِ ذات کا ذکر کرنا اور اُسے خیال میں لاکر اس کی طرف متوجہ ہونا تو صرف حق تعالیٰ کی آگہی اور اثبات کے لئے ہے، اِس طرح وہ حق تعالیٰ کی انانیت کی آگہی سے اس کے تمام اسماء وصفات جیسے کہ سمیع، علیم، بصیر، حَی، کلیم، قدیر اور مرید ورزّاق

وغیرہ کی آگہی تک پہنچتا اور اپنے اندر ان کو موجود پاتا ہے اور یہ تصدیق اسے حاصل ہوجاتی ہے کہ حق تعالیٰ کی ساری صفات کا صدور جاری ہے۔ اور اس کی ہر صفت کا اپنا ایک دائرۂ عمل ہے، اور ساری کائنات ایک واحد حقیقت ہے، ظاہر میں بھی، اور باطن میں بھی۔ اور اس کی شرح تفصیل طلب ہے لیکن اجمالاً ہی سہی تحریر میں آ گئی ہے۔

جس طریقے کا تعلق معرفتِ الٰہی سے ہے وہ یوں ہے کہ سالک کی انانیت جو کہ حق تعالیٰ ہی کی انانیت ہے، موجودات کی ان علمی صورتوں سے جو اُس کے باطن میں مندرج ہیں دفعتاً اپنی توجہ ہٹا کر خود اپنی معرفت کی جانب متوجہ ہوجاتی ہے، جس کے نتیجے میں مذکورہ علمی صورتیں اس کی نظر سے اوجھل ہو جاتی ہیں یعنی صرف حق تعالیٰ کی انانیت کا علم باقی رہ جاتا ہے۔ اور توجہ کی نسبت صرف صفات کے اطوارِ نزول اور موجودات کی علمی صورتوں کے اِمتثال سے رہ جاتی ہے۔ یعنی فقط یہ آگہی کہ میں وہی ذاتِ بے کیف ہوں، میں خدا ہوں، میں اپنی ذات سے آشنا ہوں، میں اس بات سے بھی آشنا ہوں کہ یہ میرے اسماء و صفات ہی ہیں جن سے موجودات کا ظہورِ عمل میں آتا ہے۔ پھر یکا یک اس آگہی سے توجہ کی نظر پھیر کر اپنی ذات کی پہنائیوں میں محو و مستغرق ہوجاتی ہے۔ چنانچہ اس حال میں نہ علم باقی رہتا ہے اور نہ بے علمی، جو رہی سو بے خبری رہی۔ اور ایک ایسی صورتِ حال کا سامنا ہوتا ہے جو شرح و بیان میں نہیں آسکتی۔ اس کی تفصیل اس رات کی راہ نوردی کرنے اور اس کے نشیب و فراز سے گزرنے پر معلوم ہوگی، تحریر میں نہیں آسکتی۔

مشغولی کا ایک اور طریقہ

مشغولی کا ایک اور طریقہ یہ ہے کہ جب درود شریف کا وِرد کرے تو درجِ ذیل الفاظ میں اِس طرح کرے:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ علیٰ مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَحَبِيْبِكَ وَرَسُوْلِكَ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَاٰلِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

درود پڑھتے وقت یہ بات زیرتوجہ رہے کہ حق تعالیٰ سبحانہٗ جبرئیل کے واسطے سے درود وسلام بھیجتا ہے۔ اسی طرح میں بھی جبرئیل کے واسطے سے پیغمبر آخر وخاتم کی جانب ایصالِ درود کر رہا ہوں۔ اور میری زبان مقام جبرئیل ہے۔ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہٖ و اھل بیتہٖ و اصحابہٖ کی ذات وصفات کو جو اوپر بیان کی گئی ہیں، ملحوظ خاطر رکھے۔

شغل معراج النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

شغلِ معراج النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ واھل بیتہ واصحابہ وسلم کا بیان جس کی تعلیم براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے حاصل ہوئی۔ وہ اس طرح ہے کہ اپنی ہستی کو مقام محمدیّت تک پہنچا کر، یعنی اپنے ظاہر و باطن میں محمدیت کی آگہی کے ساتھ آنجناب کی ہستی کا اثبات کر کے، یقین راسخ کے ساتھ مقام معراج یعنی قربِ الٰہی کے اعلیٰ ترین مقام کی طرف متوجہ ہو کر، رب تعالیٰ کے فضل و کرم کا منتظر رہے۔ اور وہ جو حق تعالیٰ کی طرف سے مقامِ معراج میں اَنَا اَنْتَ وَ اَنْتَ اَنَا (جو میں ہوں وہ تم ہو، جو تم ہو وہ میں ہوں) کا خطاب ہوا تھا اُسے

اپنے باطن میں جان و دل سے بولتا رہے۔ بالآخر گفت وشنید کا یہ پردہ درمیان سے اُٹھ جائے گا اور ایک انجانی کیفیت اور ایک نرالی شان نئے اسرار اور انوکھے رموز کے ساتھ جلوہ گر ہوگی، جنہیں تحریر میں لانے کی اجازت نہیں ہے۔

دوسرا طریقہ جو تعلیم فرمایا گیا وہ اِس طرح تھا کہ مریدوں کی تعلیم اور توجہ کے وقت جزء وکل بن کر مشغول رہو۔ یعنی تمام مریدوں کو اپنی ہستی کا جزو سمجھو اور خود کو کل شمار کرو۔ جس طرح کہ جانِ مطلق ہے جو پورے جسم میں جاری وساری رہتی ہے تم بھی اُسی کی طرح مشغول رہو تا کہ تمہارا فیضان فیضِ عام بن جائے۔

طریقۂ مرتضوی

دوسرا ایک اور طریقہ ''طریقۂ مرتضوی'' علیہ السلام ہے۔ اور اسے نور العین یا نورِ عین کہا جاتا ہے۔ اور نورِ عین سے مراد نورِ مرتضوی ہے اور وہ آنحضور سرورِ کونین (علیہ الصلوٰۃ والسلام و علیٰ آلہ واھل بیتہ واصحابہ الکرام) کے نور پاک کا قلبی ونورانی پرتو ہے۔ یہ نور اُس نور کو متوجہ کرتا ہے۔ اِس کا مطلب ہے کہ دونوں ایک ہیں۔ کیونکہ دونوں نور کے یکساں ہونے کی وجہ سے ایک کا علم دوسرے کی طرف متوجہ کر دیتا ہے۔ اور نورِ عین میں ایک شبیہ ظاہر ہوتی ہے جسے حضرت علی مرتضیٰ کی ذاتِ اقدس تصور کیا جاتا ہے۔ اس شبیہہ پاک کا تصور آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور کو متوجہ کر دیتا ہے۔ کیونکہ وہ آں حضور کے قلبِ اطہر کا نورانی پرتَو ہے۔ اگرچہ اس پرتوِ نورانی کا تصور بہت مشکل ہے اور اسے دیکھ پانا اور بھی مشکل ہے لیکن بفضلہٖ تعالیٰ کچھ دنوں کی توجہ کے بعد وہ نور ظاہر ہوتا ہے اور

یہ نور اور وہ نور دونوں ایک جیسے ہیں۔ اور وہی نور قلبی اپنے آثار کو ظاہر فرمانے کے لئے عین تک پہنچ گیا۔ (یعنی عین میں بدل گیا)۔ اور حرفِ عین سے مراد حضرت علی مرتضیٰ (علیہ و آلہ و اھل بیتہ الصلوٰۃ والسلام) کا اسم مبارک ہے کہ جو لفظ 'عین' کے معنی کا مصداق ہے۔ اور آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حلیۂ مبارک کا تصور قلبِ سالک میں روشن ہو جائے تو اُس پرتوِ نورانی کا مشاہدہ ہو جائے گا۔ چونکہ آں سرور کے نور کو نورِ مرتضوی میں اپنی عینیت کے آثار و کمالات بدرجۂ اَتم نظر آئے۔ اسی وجہ سے آنحضور نے ان کو اس قدر تعظیم و تکریم سے نوازا اور کمال شوق اور فرطِ انبساط میں اُسی تعلق و یگانگت کا اظہار فرماتے ہوئے کہا کہ لَحمُکَ لَحمِیْ وَدَمُکَ دَمِی (تمہارا گوشت میرا گوشت اور تمہارا خون میرا خون) یعنی انہیں اپنا نورِ عین قرار دیا۔ جس طرح کہ اُس ذاتِ حق تعالیٰ شانہٗ کو اپنے جمالِ لایزال کے سارے کمالات اور اپنے جملہ اسماء و صفات جمال محمدی میں نظر آئے۔ بالکل اُسی طرح آنحضور کو بھی اپنے سارے کمالات نورِ مرتضوی میں نظر آئے۔ یہی وجہ تھی کہ آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ سے اِس درجہ التفات و محبت اور قدر و منزلت کے ساتھ خطاب فرمایا۔ چنانچہ جناب مرتضیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام شاہد ہیں اور مشہود بھی۔ یہ کیسا درجہ و مقام ہے کہ یہاں عاشق و معشوق جیسا معاملہ ہے۔ حضرت مولائے رومی فرماتے ہیں:

ہر چہ گویم عشق ازاں برتر بُود
عشق امیرُ المومنین حیدر بُود

(جو کچھ میں نے بیان کیا عشق اس سے بھی بلند تر ہے۔
یوں سمجھو کہ عشق امیر المومنین حیدر رہے۔)

فرزندمن! یہ جان لو کہ پیغمبر عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جناب مرتضیٰ علی علیہ السلام کو بخوبی پہچان لیا۔ اور جناب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جناب مرتضیٰ نے بھی کما حقہٗ پہچانا۔ لہٰذا تمہیں چاہیے کہ تم بھی اپنے نورعین (مثالی اور باطنی وجود) کو مکمل یقین کے ساتھ جناب علی مرتضیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ اقدس کی طرح سمجھو اور اپنے مقامِ قلب کی طرف متوجہ ہو جاؤ کیونکہ وہ آنحضور کے نور کا مقام ہے۔ اس لئے اپنے عینی وجود کو ہستئ مرتضوی تصور کر کے براہ راست اُسی نورعین کی طرف دیکھو اور معرفت وتوحید کی دولت اسی نور میں مشغول ہو کر حاصل کرو۔ جیسا کہ مولانائے روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

تو بہ تاریکی علی را دیدۂ
زاں سبب غیرے براں بگزیدۂ

(تو نے بے نور آنکھوں سے علی کو دیکھا۔
یہی وجہ ہے کہ اُن کی ذاتِ اَقدس میں تجھے غیریت نظر آئی۔)

تو جو شخص اُس عینیت کے اعتبار سے جو بصارت اور بصیرت کے درمیان پائی جاتی ہے حضرت علی مرتضیٰ کی طرف نہیں دیکھتا اسے غیریت کی نسبت نظر آتی ہے۔ اگر اُس نورعین کی عینیت کا وہ معنی جو اوپر بیان کیا گیا اُس پر منکشف ہو جائے تو کوئی غیریت حائل نہیں رہے گی۔ اور اُسے آنحضور ﷺ اور حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کے درمیان غیریت نظر نہیں آئے گی۔ حال یہ ہے کہ وہ نور ہر جگہ اور ہر طرف روشن اور ہر شے میں موجود ہے۔

نمازِ عشق

سالک جب نماز عشق ادا کرنا اور اس طریقے سے فنائے کلی حاصل کرنا چاہے تو سب سے پہلے وضو کے ذریعے غیر حق اور ماسوا سے خود کو منقطع کرے۔ چنانچہ سب سے پہلے اپنی خودی اور اپنی ہستی سے ہاتھ دھولے، یعنی دستبردار ہو جائے۔ اسی طرح سر سے پاؤں تک تمام اعضا کو دھوتے وقت یہ خیال کرے کہ اب اس عضو سے ہاتھ دھولیا۔ (اب یہ میرا نہیں رہا، میں نے اسی اللہ کے سپرد کر دیا) کیونکہ اعضا کے دھونے سے اشارہ اسی معنی کی طرف ہے۔ اس کے بعد تکبیر کہہ کر جائے نماز جو کہ عاشقوں کی قتل گاہ ہے، اپنی اقامت کو مستحکم کرلے۔ اور ادب سے ہاتھ باندھ کر اُس ربِّ ذوالجلال کی بارگاہ میں فنا اور تسلیم کے ارادے کے ساتھ اِنِّی وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ... الی آخرہ کے معنی کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنی جان اور سروتن کا نذرانہ پیش کرے۔ اور نہایت ذوق وشوق اور اضطرابِ طلب کے ساتھ اُس ذاتِ ذوالجلال کی حمد وثنا سے نماز کا آغاز کرے۔ اپنی جاں نثاری اور سرسپردگی کو حیاتِ اَبدی کا سرمایہ سمجھ کر حمد وثنا کو کسی دوسری سورہ کے ساتھ اختتام تک پہنچائے۔ پھر رکوع میں سر جھکاتے ہوئے یہ کہے کہ تیری عظمت و بلندی اور ربوبیت و بزرگی پر قربان ہونے کے لئے میرا سر حاضر ہے۔ پھر رکوع سے سر اُٹھا کر تکبیر کہتا ہوا سجدہ میں چلا جائے۔ سبحان ربی الاعلی یعنی اپنے رب کی بزرگی و برتری کا اقرار کرتے ہوئے زبانِ نیت سے یہی کہے کہ تیری ذاتِ پاک پر

قربان جاؤں، میرا سَر حاضر ہے۔ نماز کی ہر رکعت اور ہر رکن میں اپنی ہستیٔ ظاہر کی فنا کا تصور کرے اور اِسی طریقے سے نماز کو انجام تک پہنچائے۔ انشاء اللہ تعالیٰ جو کچھ رونما ہوگا وہ فقط دیکھنے اور سمجھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اور وہ عمل میں لانے کے بعد واضح ہو جائے گا۔

دُرودِ حرکتِ مژگاں:

درود پڑھنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ تصور کرے کہ آنکھوں کی دونوں پتلیوں میں آنحضور ﷺ تشریف فرما ہیں۔ پھر پلکوں کی حرکت سے تصور میں درود پیش کرنے کا اہتمام کرے۔ کشائش کا دَر کھلنے کو ہے۔ عنقریب مشاہدہ ہوگا۔

کُنتُ کَنزاً مخفیا کا شغل:

جناب رسالتمآب کے حلیۂ مبارک کا تصور کر کے اپنی دونوں سُرینوں کو زمین سے ٹِکا کر دونوں زانوؤں کو کھڑا رکھتے ہوئے بیٹھ جائے۔ پھر دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو دونوں کانوں پر رکھے۔ (اور آنکھیں بند کر کے)، ذکرِ اثبات ھُو اللہ کہتے ہوئے، اور یہ تصور کرتے ہوئے کہ 'میں کنزِ مخفی ہوں' مشغول ہو جائے۔ اور بیٹھنے کا یہ انداز اُس بچے جیسا ہے جو حمل کی صورت میں اپنی ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے۔ اور وہی کنزِ مخفی کی حالت ہے۔ اور جب آنکھ کھولے تو زبانِ حال سے فخلقتُ الخَلق[23] (تو میں نے مخلوقات کو وجود بخشا) کہے۔ ایک عجیب کیفیت طاری ہوگی۔ جو صرف عمل کرنے سے ہی معلوم ہو سکتی ہے۔ حق

تعالیٰ کی وحدانیت اوراس کی عینی آ گہی اُس شخص پر منکشف ہوگی۔

طریقہ اَنَا مدینَۃُ العِلمِ و علیٌّ بابُہا

اَنَا مدینَۃُ العِلمِ و علیٌّ بابُہا کا طریقہ اس طرح ہے کہ سالک کی ہستی مدینہ ہے اور وہ جو اپنی انانیت (جو دراصل انانیتِ حق ہے) کے فہم سے بہرہ ور ہے وہ آں سرور علیہ و آلہ الصلوٰۃ و السلام کی ذاتِ اقدس ہے۔ اور بابِ علم حضرت علی کی ذاتِ پاک ہے، یعنی پانچوں حواسِ خمسہ اور ان کے ظاہر و باطن، جن کا اصل مقام نورِ عین ہے۔ اور اِسی کو باب العلم (علیہ الصلوٰۃ و السلام) کہا جاتا ہے۔ اس طرح ہر علم جو معقولی ہو یا حسّی، ظاہری ہو یا باطنی جو اُس ذاتِ اقدس کو حاصل ہوگا وہ انہی وسائل کے ذریعہ حاصل ہوگا۔ خصوصیت دیکھو کہ یہاں جو مرتبۂ عینُ الیقین ہے وہی حقُّ الیقین بھی ہے۔ ایک بصیرت کا نور ہے اور دوسرا نورِ عین یعنی ذاتِ علی مرتضیٰ علیہ الصلوٰۃ و السلام۔ اسے دریافت کرو اور مشغول رہو۔ اور یہی کافی ہے۔ اللہ بس باقی ہوس۔

یہ سارے رموز و نکات جو بیان کئے گئے وہ سب ہمارے شیخ مدظلہٗ العالی کے فضل و کرم سے اور انہی کی تربیت کی برکت کے سبب جناب آں سرورِ علیہ الصلوٰۃ و السلام کی عنایت و مرحمت سے عطا ہوئے۔ جن باتوں کو تحریر میں لانا تھا انہیں بغیر کسی کمی و کوتاہی اور ترمیم و تحریف کے لکھ دیا ہے۔ اِن فرزند کو چاہیے کہ اِن تمام اشغال و اذکار اور ان کے رموز و اَسرار سے بطور خود آگاہ ہوں اور اُنہیں عمل میں لائیں۔ اور مجھے برائے حُسنِ عاقبت و خاتمہ دعائے خیر سے یاد کرتے رہیں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے حاصل ہونے والے فوائد

بعد ازاں مزید کچھ فوائد: جو آنحضور سے معلوم ہوئے ہیں، تحریر میں لا رہا ہوں۔

اوّل : کلمۂ توحید و کلمۂ شہادت کے اسرار

دوسرا : نماز باجماعت کے رموز

تیسرا : داڑھی اور سر کے بال رکھنے کا راز

چوتھا : نکاح کے حلال ہونے اور زِنا کے حرام ہونے کی حقیقت

پانچواں : مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ کی تحقیق

چھٹا : لاصلوٰۃ الاّ بحضور القلب کی تحقیق

ساتواں : ان باتوں کا بیان جن کا مریدوں کی تعلیم میں مرشد کو لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

اسرار کلمۂ توحید و شہادت

فرزندمن! کلمۂ توحید اور کلمۂ شہادت کے کیا اسرار ہیں اُنہیں اس طرح سمجھو کہ کلمۂ توحید حق تعالیٰ کی زبان سے ہے۔ اور کلمۂ شہادت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان سے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ (علیٰ نبینا وعلیہما السلام) کے ساتھ فاخلَعْ نَعلَیک (اپنی جوتیاں اتار دو) اور اَرِنی (مجھے اپنا مکھڑا دکھایئے) ولن ترانی (تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے) جیسا معاملہ پیش آیا۔ اور ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ کلمۂ طیب کی صورت راز و نیاز کا معاملہ ہوا۔ اور ہمارے

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ و السلام نے جواب کی صورت میں کلمہٗ شہادت پیش کیا۔ تو غور کرو اور سمجھو کہ ایسا راز و نیاز کا معاملہ کسی اور پیغمبر کے ساتھ کبھی نہیں ہوا۔ اب اس کی تفصیل سنو، کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے انتہائی رافت و مہربانی سے جسے ہم عشق سے تعبیر کر سکتے ہیں، خود فرمایا کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ یعنی کوئی اور خدا نہیں ہے سوائے خدائے واحد کے، کہ ذاتِ محمد رسول ہے۔ اور اُس ذاتِ حق جلّ شانہٗ نے لا کے حرف کو کلمہٗ توحید میں سب سے پہلے اس لئے رکھا تا کہ اس سے آنحضورِ سرورِ کائنات کی ذات میں اپنی ذات کو پوشیدہ کر دیں۔ یعنی میں تیرے جمال میں محو ہوں، بلکہ جو تو ہے وہ میں ہوں۔ اور آنجناب نے اپنے مقامِ عبودیت اور اُس کی بے نیازی کے مدِّ نظر کمالِ ادب سے کلمہٗ شہادت عرض کیا۔ اور خود کو بندہٗ رسول کہا۔

کیا خوب راز و نیاز ہے کہ اس مقام و مرتبہ میں کسی کے دخل و رسائی کی گنجائش نہیں۔ اور نہ کسی کی خاطر دو کلموں کی رعایت روا رکھی گئی۔ اور انہی دو کلموں پر اسلام کی بنیاد ہے۔ اور ہر وہ شخص جو اِن دو کلموں سے انکار کرتا ہے اس کے خلاف قِتال و جدال کا حکم آیا ہے۔ یہ اُس غیورِ حقیقی کی غیرت ہے کہ کمال غلبہ میں ایسے کلمات ارشاد فرمائے اور افسوس ہے اُس شخص پر جو اِنکار کر جائے تو اس کا قتل کیونکر واجب نہ ہو۔ لہٰذا اے فرزند، کلمہٗ طیبہ کی تکرار کرتے وقت مذکورہ احوال کا لحاظ رکھتے ہوئے ذکر کرو اور کلمہٗ ثانی یعنی کلمہٗ شہادت کا ذکر بھی کرنا ہوگا۔ اگرچہ اس حال کا غلبہ زیادہ رہتا ہے جو موافق کلمہٗ اول ہے۔ لیکن قول اور یقین دونوں حالت میں آں سرور علیہ الصلوٰۃ و السلام کی متابعت عبودیت کی راہ سے قدم باہر نکالنے نہیں دیتی۔ بفضلہٖ تعالیٰ کامیاب رہو گے۔

نمازِ باجماعت

نمازِ باجماعت کے رموز یہ ہیں کہ جماعت میں توحید افعالی کا راز پوشیدہ ہے۔ وہ اس طرح ہے کہ امام کُل کی حیثیت رکھتا ہے اور ہر مقتدی اُس کا جُزو ہے۔ امام کے فعل کو ہر مقتدی دہراتا ہے۔ یعنی اس سے اشارہ توحید افعالی کی طرف ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ یہ سارے افعال وجودِ واحد کے ہیں جو کہ "وہ ہے" سبحانہ وتعالیٰ۔ انہی افعال وحرکات کی صورت میں۔

داڑھی اور سر کے بال

تیسرے، داڑھی اور سر کے بال رکھنے کی سنت میں بڑا بھید پوشیدہ ہے۔ کہا جاتا ہے، اور یہ بات راہِ طریقت کے سالک پر واضح رہے، کہ آنحضرت کی ذاتِ پاک (ﷺ) سے اِحرام کی نیت کبھی ساقط نہیں ہوئی۔ جس مقام پر پہنچے اسی مقام سے اِحرام کی نیت فرمائی۔ اسی وجہ سے اور اِسی طرح، اپنی عمر شریف کے آخر تک آنحضور نے اِحرام ترک نہیں کیا۔ چونکہ آنحضور کی حق تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کا بے انتہا تحقُق حاصل تھا اس لئے حکم احرام کو خود ہی فوت نہ ہونے دیا۔ چنانچہ جس طرح حج بیت اللہ کی نیت سے لوگ احرام باندھتے ہیں، اور وہاں جا کر سر اور داڑھی کے بال ترشواتے ہیں، ٹھیک اسی طرح آنحضور کا اتباع کرتے ہوئے سالک کو چاہیے کہ ایک مُحرِم کی طرح سر اور داڑھی کے بال رکھے۔

نکاح کی حلت اور زنا کی حرمت

نکاح کو حلال اور زنا کو حرام اس لئے کیا گیا کہ نکاح کے ذریعہ حق تعالیٰ شانہٗ کا اپنے بندوں کو توحید وعشق کی تعلیم اور تربیت دینا مقصود ہے۔جس طرح کہ مرد وعورت وصال کے وقت اپنوں اور بیگانوں سے الگ ہوکر کسی گوشۂ تنہائی میں چلے جاتے ہیں جہاں ان دونوں کے سوا کوئی تیسرا نہیں ہوتا۔اور اس کے بعد جب وصل کی ساعت آتی ہے تو دونوں کے درمیان کوئی حجاب باقی نہیں رہتا اور خود اُنہیں اپنے ہونے کا ہوش تک نہیں رہتا۔ ہوش رہتا ہے تو صرف اُس لذت کا جو دورانِ وصل حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ وہ مقام ہے جہاں قریب ترین قربت حاصل ہوتی ہے اور جہاں دونوں یک ذات ہوجاتے ہیں۔اگر اس حالت میں بھی اس میں قوتِ امتیاز باقی رہی تو تفصیلاً یا اجمالاً حقیقت وصل کا علم ہو جاتا ہے۔ ورنہ سوائے لذت وصل کے اور ایک شدید جذبۂ محبت کے جو عاشق و معشوق کے باہمی تعلقات میں ہوتا ہے، اور کچھ نظر نہیں آتا۔اور وہ پُر جوش جذبہ کبھی نہیں چاہتا کہ کسی غیر کو اُس کی جگہ ملے یا کوئی غیر اس کے مقام تک پہنچ سکے۔

اس وجہ سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ مقام تخصیصِ ذات کا مطالبہ کرتا ہے۔ اِسی لئے نکاح کا حکم ہوا اور اسے حلال قرار دیا گیا۔اور زنا کو حرام کر دیا گیا کیونکہ غیرتِ عشق کو گوارا نہیں کہ لذت وصل اور اس کے مقام و احوال کو اغیار کے سامنے لایا جائے۔اور وحدانیت کا منصب اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ اُس کا کوئی راز ظاہر کیا جائے۔جس طرح کہ کوئی بیوی یہ نہیں چاہتی کہ اس کا خاوند کسی غیر عورت پر نظر ڈالے یا اُس کی طرف مائل ہو۔اسی طرح غیرتِ توحید کو جس کا نام اِس دنیا میں غیرتِ معشوقی ہے، یہ منظور نہیں کہ کوئی اس کے علاوہ کسی اور کی طرف متوجہ ہو اور اس کے سربستہ رازوں کو ہرکس و ناکس کے سامنے فاش کر دے۔لہٰذا حکمِ حُرمت نافذ ہوگیا۔

لا صلوٰۃَ اِلّا بحضورِ القلب کی تحقیق

اے بھائی! جب قلب کو منقلب کرتے یعنی اُسے اُلٹتے پلٹتے ہیں تو وہ قبلہ ہوجاتا ہے تو معنی یہ ہوا کہ جب قبلہ سامنے نہ ہو تو نماز نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے قبلہ رُخ ہوکر نماز ادا کرنے کا حکم ہے۔ لیکن ظاہر پرست لوگوں کا قبلہ اور ہے اور اہلِ باطن کا قبلہ اور۔ مولانائے رومی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

قبلۂ صورت پرستاں آب و گل
قبلۂ معنی پرستاں جان و دِل

یعنی صورت پرستی کرنے والوں کا قبلہ آب وگل (پانی اور مٹی) ہے۔ اور معنی کے پرستاروں کا قبلہ جان و دل ہے۔ لہٰذا جان و دل کو اپنا قبلہ بناؤ، پھر خداوند حقیقی کی نماز میں لگ جاؤ۔ تاکہ نماز سے تمہیں حضوری کی کیفیت حاصل ہوجائے۔

مرشد کا طریقۂ تعلیم

مذکورہ فوائد میں ساتواں یہ ہے کہ مریدوں کی تعلیم کے وقت مُرشد کو چاہئے کہ تمام مریدوں کو اپنی ہستی کا جزو سمجھے اور خود کو کُل تصور کرے۔ جس طرح کہ جسم کے تمام اعضا کے لئے فقط ایک جان مطلق ہے بس اسی کی طرح مشغول رہے تاکہ فیضِ عام حاصل ہوجائے۔ فقط۔

☆☆☆تمّتْ بِالْخیرْ ☆☆☆

حواشی

1 هو الاول والآخر والظاهر والباطن وهو بكل شيء عليم
(سورہ حدید آیت 3)

2 یعنی ارکان ایمان کا جس طرح کہ فقہ اور اصول کی کتابوں میں مذکور ہے۔ زبان سے اقرار کرتے ہوئے دل سے تصدیق کرے۔

3 صوفیہ کی اصطلاح میں ہر وہ شے جو حق تعالیٰ اور اس کے بندے کے درمیان رکاوٹ یا حجاب بن کر حائل ہو جائے وہ بت ہے۔ خواہ وہ حسن و جمال ہو، دولت و ثروت ہو، علم و ہنر ہو ،قوت و شجاعت ہو، یا عبادت و ریاضت۔ حتی کہ آخرت کی نعمتیں بھی۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

4 سورہ نساء آیت 59 اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی، اور اس کے رسول کی، اور جو تم میں سے صاحب امر ہیں ان کی بھی۔

5 قرب خداوندی کے حصول کے لئے نماز سے بڑھ کر کوئی دوسری عبادت نہیں اور مذکورہ نعمت تو اصل سے مراد وہ قرب ہے جس میں قرب فرائض اور قرب نوافل دونوں شامل ہیں۔

6 امام عالی مقام سیدنا حضرت حسین ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

7 قرآن حکیم اور احادیث نبوی۔ بالخصوص وہ آیتیں اور روایتیں جن پر احکام شریعت کی بنیاد رکھی گئی ہے۔

8 نگاہ -حضرت حجۃ السلام امام ابو حامد محمد الغزالی قدس سرہٗ اپنی مشہور تصنیف ''منہاج العابدین'' میں عقبۂ العوائق کے تحت عائق چہارم کے فصل اول میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

إنّ النّظر إلى محا سن المر أةِ سهم مسموم من سهام ابليس فمن تر كها أذقه الله طعم عبا دة تسرّه

(غیر محرم عورت کے حسن جمال پر نظر ڈالنا ابلیس کے بجھے ہوئے تیروں میں سے ایک تیر ہے۔ تو جو شخص ایسا کرنا ترک کر دیگا اللہ تعالیٰ اسے سرور آمیز عبادت کا مزہ چکھائے گا۔)

9 ان کا سایہ ہمارے اور تمام مریدان وفیض یافتگان کے سروں پر تا قیامت برقرار ہے۔

10 **فاینما تو لو فثم وجه الله** ۔تو جدھر بھی تم رخ کرو ادھر ہی اللہ کی ذات ہے۔
(سورہ بقرہ آیت 115)

11 رشحات سے مراد عین الحیات مؤلفہ حضرت علی بن حسین واعظ کاشفی ہے، جو طریقت نقشبندیہ پر قدیم ومستند ماخذ ہے۔ اور جس کا سنہ تالیف 909ھ ہے۔

12 استیلائے عشقیہ یعنی غلبۂ عشق، ہجوم شوق، وفور جذبات۔

13 حدوث کا لغوی معنی ہے واقع ہونا یا ظہور میں آنا۔ لیکن تصوف کی اصطلاح میں ممکنات کا اپنی تکوین اور ظہور کے لئے کسی خالق اور مبدی کا محتاج ہونا حدوث ہے۔ چونکہ تمام موجودات اپنی ابتدا سے پہلے بھی معدوم ہوتے ہیں اور اپنی انتہا کے بعد بھی معدوم ہوجاتے ہیں اسی لئے حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے ارشاد فرمایا کہ "**هر طرف نفی جمیع محدثات راو خودرا بر نظر حدوث و فنا مشاهده نماید**"۔ مطلب یہ ہے کہ لا الٰہ کہتے وقت تمام مظاہر کی اور خود اپنی، اسی سابقہ اور آئندہ معدومیت کو دھیان میں رکھے۔

14 حق تعالٰی کے لئے قدیم کا لفظ اس معنی میں بولا جاتا ہے کہ اس کی ذات پاک جملہ موجودات یعنی پوری کائنات کے وجود پر متقدم ہے یعنی کل موجودات عالم کی ابتدا سے پہلے ہے۔ لیکن یہ قدم یا قبلیت صرف اولیت کے اعتبار سے ہے۔ یہ زمانی (Temporal) ہرگز نہیں۔ کیونکہ اگر وہ زمانی ہوگی تو حق تعالٰی کو 'آخر' کیسے کہہ سکتے ہیں جبکہ وہ اول بھی ہے اور آخر بھی۔ لامحالہ یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ اس ذات اقدس کی قبلیت وقت کی ابتدا سے پہلے ہے اور اس کی بعدیت وقت کی انتہا کے بعد ہے اور نتیجتاً یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس کی قبلیت وبعدیت وقت کے اندر نہیں اور نہ وقت ان پر ہرگز سکتا ہے۔ کیونکہ جس طرح تمام ممکنات مخلوق اور حادث ہیں اسی طرح وقت بھی چونکہ ایجاد عالم کے سبب وجود میں آیا ہے لہذا مخلوق وحادث ہے۔ اصطلاحاتی زبان میں حق تعالٰی کی قبلیت اس کا ازل ہے اور اس کی بعدیت اس کا ابد۔ اور جو اس کا ازل ہے وہی اس کا ابد بھی ہے۔ دونوں کے درمیان فرق وامتیاز جائز نہیں۔ اور باقی وہ ہے جو ہمیشہ سے موجود رہا ہے اور موجودات کے فنا ہوجانے کے بعد بھی ابدالآباد تک موجود رہے گا۔ لہذا قدم اور بقا ذات واجب تعالٰی کی یکتا اور لاشریک صفات ہیں۔ اور حدوث وفنا سے بلاتخصیص ساری خلقت متصف ہے۔
قولہ۔ "اس کا اثر دل تک پہنچے" یعنی اس کا اثر دل میں محسوس ہو۔

15 بے چونی و بے چگونی۔ تصوف میں فارسی کے یہ دونوں الفاظ عموماً ایک ساتھ استعمال کیئے جاتے ہیں۔ بے چونی و بے چگونی کا مطلب ہے بے مثل و بے کیف ہونے کی حالت یا خصوصیت۔ اور اس خصوصیت کا اطلاق حق تعالیٰ کے تمام اسماء وصفات پر ہوتا ہے۔ بے چونی و چگونی کا وہی مطلب ہے۔ جیسے عربی اصطلاح میں کبھی تنزیہہ اور کبھی تقدیس سے تعبیر کرتے ہیں یعنی حق تعالیٰ کا ہر طرح کی خامی، خرابی، کوتاہی، بھول چوک، لغزش، خطا، غرض کہ جملہ نقائص ومعائب سے، اور یہی نہیں بلکہ ان اوصاف کے جملہ اضافات واعتبارات واحتمالات سے پاک سمجھنا جنہیں ہم کسی بھی شے یا شخص کی طرف منسوب کرتے یا کر سکتے ہیں۔

16 خطرات واضافات ماسویٰ: یعنی وہ سارے داخلی محرکات جنہیں اصطلاح میں خطرات وخواطر یا وساوس یا ہوا جس کہا جاتا ہے۔ اور ان سے وابستہ تمام تر تلازمات اور تصورات اور ظاہر ہے کہ ان سب کا تعلق ماسویٰ سے ہے۔

17 علم عنائیت خود۔ یعنی اپنی عنانیت کا علم، یعنی اپنے ذاتی اوصاف کے ساتھ موجود ہونے کا اور کئی لحاظ سے اپنی موجودگی کے ممتاز ومنفرد ہونے کا یقینی ادراک۔

18 شغل معیت۔ سلطان المحققین حضرت شیخ شرف الدین یحیٰی منیری قدس سرہٗ نے **وھو معکم** کی تفسیر میں لفظ 'مع' کی شرح کرتے ہوئے بڑا نفیس نکتہ بیان فرمایا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ :

''صوفیا کرام اس معیت کو ''معیت رابع'' (چوتھی معیت) کہتے ہیں اس کے علاوہ اور تین معیت کو متکلمین کے علم اور فہم میں ہے (یعنی سریان، حلول اور اتصال) اسے حقیقت کی جانب لے جاتے ہیں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ موجودات کے جملہ زرات کے ساتھ اپنی ذات سے موجود ہیں لیکن اس کی یہ معیت ویسی نہیں جیسی کہ جسم کی معیت جسم کے ساتھ ہوتی ہے۔۔ ہاں 'روح کی معیت جسد کے ساتھ جیسی ہے اسی کی طرح اللہ کی معیت جملہ کائنات کے ساتھ ہے۔ اس لئے کہ روح نہ قالب کے اندر ہے اور نہ قالب کے باہر، نہ قالب سے متصل ہے اور نہ قالب سے منفصل۔ بلکہ روح ایک دوسرے عالم سے ہے اور قالب دوسرے عالم سے۔ روح پر عوارض، اجسام، اجزا، دخول، خروج، اتصال، انفصال اور اس کے علاوہ جو بھی ہو، کچھ نہیں ہے۔ اس کے باوجود قالب کے ذرات میں کوئی ذرہ ایسا نہیں ہے جس کے ساتھ روح حقیقتاً موجود نہ ہو۔ عالم کے ہر ذرہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معیت کی یہی مثال ہے۔

من عرف نفسه فقد عرف ربّه

(جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا)''

مکتوبات بست وہشت مرتبہ ومترجمہ۔ڈاکٹر محمد علی ارشد،صفحہ ۵۰-۵۱ پر تیسرا مکتوب

19 وهو معكم اينما كنتم والله بما تعملون بصير۔

اور تم جہاں کہیں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے۔اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔ (قرآن مجید،سورۃ الحدید،آیت 4)

20 یک وجود-ایک ہی دیکھنا اور ایک ہی کو پانا۔دوئی کا مٹ جانا،من وتو کے امتیاز کا ختم ہو جانا۔

پھر یوں ہوا کہ ''تُو'' کے بھی معنی بدل گئے۔

پھر یوں ہوا کہ ''میں'' بھی کوئی دوسرا ہوا۔

21 فلما جن عليه اليل را کو کباً قال هذا ربی فلما افل قال لااحب الآفلين (سورۃ الانعام آیت 76)

(جب رات نے ان کو پردۂ تاریکی سے ڈھانپ لیا تو آسمان میں ایک ستارہ نظر آیا۔کہنے لگے یہ میرا پروردگار ہے۔جب وہ غائب ہو گیا تو کہنے لگے کہ مجھے غائب ہو جانے والے پسند نہیں۔)

22 اِنّی وَجّهْتُ وَ جْهِیَ للّذی فطر السّمٰواتِ وَ الا رْضَ حَنیفًا وَّ مَا انا من المُشرِکین۔ (سورۃ الانعام آیت ۷۹)

(میں ہر طرح سے یکسو ہو کر اسی ایک ذات کی طرف متوجہ ہو گیا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو وجود بخشا ہے،میں قائم ہوں امرِ حق پر اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔)

23 کُنتُ کَنزاً مخفیاً فَا حُبَبْتُ اَنْ اُعرَفَ فخلقتُ الخَلَقَ

(میں پوشیدہ خزانہ تھا،تو میں نے چاہا کہ مجھے پہچانا جائے تو میں نے مخلوقات کو پیدا فرمایا۔)

✿✿✿

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نستعینہ و نصلی علی محمد و آلہ و اہل بیتہ و اصحابہ
بارک و سلم الاول ہو اللہ و الآخر ہو اللہ الظاہر ہو اللہ
و الباطن ہو اللہ قبل کل شئ ہو اللہ بعد کل شئ ہو اللہ
التوفیق و الرشاد من اللہ تعالی شانہ و جل برہانہ
بعد ازین این نسخہ بپاس خاطر طالبان صادق الاعتقاد
و مریدو فرزندان راسخ الاعتقاد در تحریر آوردہ
مطابق این عمل آرند و اتمام طریقہ سلوک نمودہ راہ
صراط مستقیم طریقہ محمدی علیہ الصلوۃ و السلام پیش گیرند
و در استوار ... و ہو الایمان و الاسلام و السلام
علی من اتبع الہدی و دین الحق خصوصا بپاس خاطر فرزندی

خطی نسخہ مظہر الاسرار مخزونہ خانقاہ منعمیہ میتن گھاٹ، پٹنہ